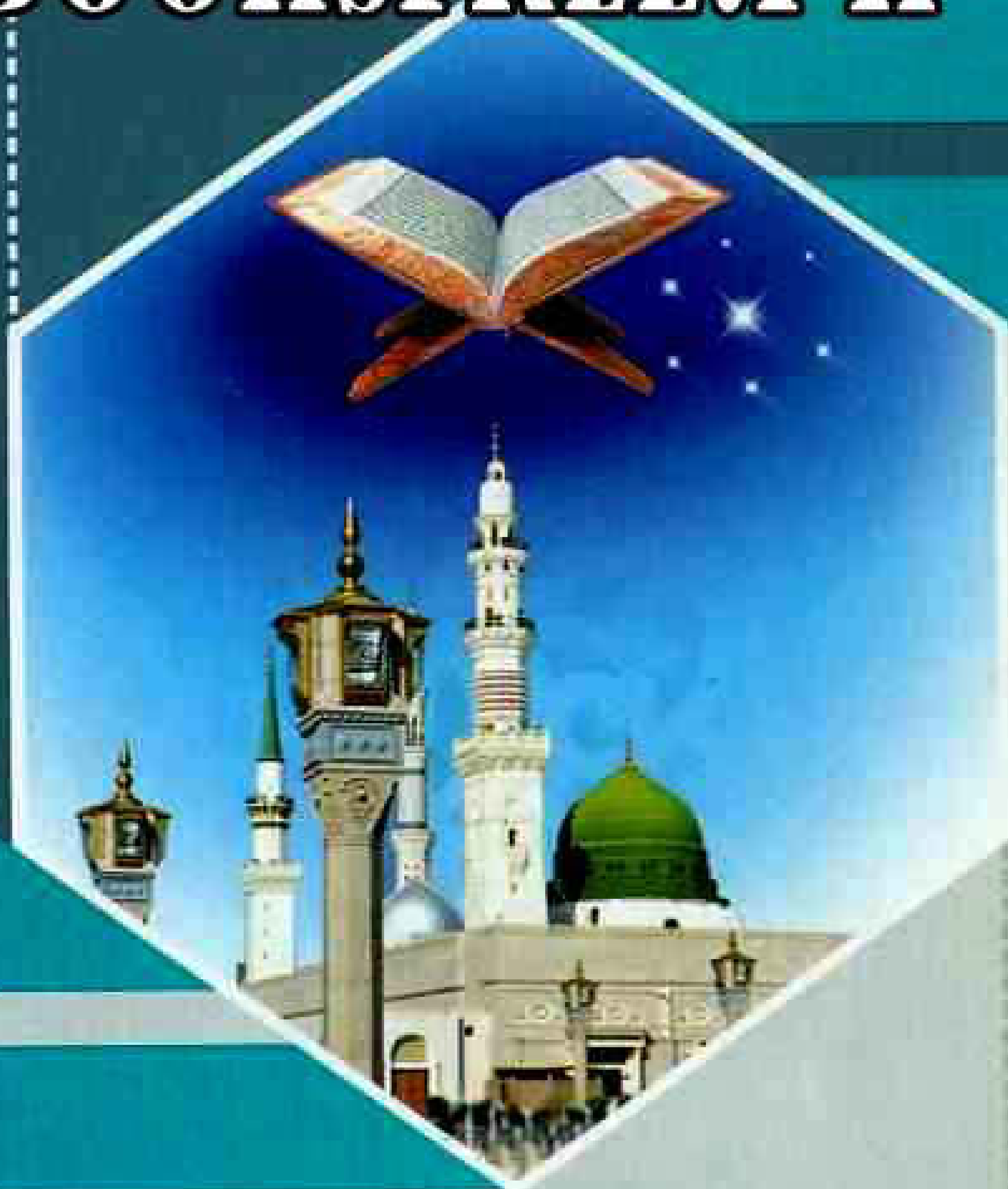
قرآن کریم میں رسول اکرم ﷺ کا عالی مقام

اے مسلمانو! اپنے پیارے نبی ﷺ کو پہچانو



تالیف
مولانا مفتی عبدالرحمٰن کوثر مدنی عاملہ اللہ تعالیٰ بفضلہ
ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
مدرس الدراسات الإسلامية بجامعة طيبة بالمدينة المنورة

زمزم پبلشرز

مكانة النبي الكريم صلى الله عليه وسلم في القرآن العظيم

قرآن کریم میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالی مقام

اے مسلمانو! اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانو

اس کتاب میں قرآن حکیم سے اُن آیات کا انتخاب مع ترجمہ و تفسیر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، اور ترتیب قرآن کے مطابق ان آیات کو جمع کیا گیا ہے۔ ان آیات میں تدبر کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ بلند قرب اور سب سے اعلیٰ مقام خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب، جس کا مطالعہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں بے انتہا اضافہ کا باعث ہے۔

تالیف

مولانا مفتی عبدالرحمٰن کوثر مدنی عافاہ اللہ تعالیٰ بفضلہ

ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

اُستاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ـــــ قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ کا مقام

تاریخ اشاعت ـــــ نومبر ۲۰۰۹

جدید ایڈیشن ـــــ فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

باہتمام ـــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ـــــ ۲۷۶

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين المبعوث رحمة للعالمين وصفوة خلق الله أجمعين وعلى آله وأصحابه أجمعين.

اما بعد! یہ کتاب جو آپ حضرات کے سامنے ہے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے معرضِ وجود میں آئی ہے، اس میں سرورِ دوعالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی کے بعض پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے، اور آنحضرت ﷺ کا بلند مقام جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ذکر فرمایا ہے اس کو واضح کیا گیا ہے، تاکہ عام مسلمان بھی سرورِ کونین کی ذاتِ اقدس سے متعارف ہو سکیں اور وہ اپنے نبی پاک ﷺ کی شخصیتِ عظیمہ سے واقف ہو سکیں، آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشوں پر علماء نے مستقل بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، اور بہت سی زبانوں میں کتابیں موجود ہیں، تاہم ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی جو آپ ﷺ کے اُس مقامِ عالی کو واضح کرے جو قرآن کریم میں مذکور ہے، ہم نے کوشش کی ہے کہ یہ کتاب ایسی ہو جس میں آسان اسلوب اور سہل انداز میں آنحضرت ﷺ کے عالی مقام کے اُن گوشوں کو اجاگر کیا جائے جو اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی سب سے زیادہ مقدس و افضل کتاب یعنی قرآن حکیم میں بیان فرمائے ہیں، ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کے جملہ فضائل اور عالی مقام کے سارے گوشے ذکر کر دیئے ہیں بلکہ یہ ایک نہایت متواضع کوشش ہے جو قارئین کے سامنے ہے، آج کے اس دور میں جب کہ اکثر افراد دنیا کی فکر میں منہمک اور دین سے دور ہیں، یہ مختصر کتاب ان

شاء اللہ چشم کشا ثابت ہوگی، حالات سے سب ہی واقف ہیں کہ موجودہ وقت میں امت مسلمہ کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شخصیت مبارکہ سے خوب واقف ہو، اور یہی نہیں کہ خود واقف ہو بلکہ دنیا میں پھیلے ہوئے اربوں انسانوں کو بھی ایسی مبارک وجامع الکمالات شخصیت سے متعارف کرائے جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، آنحضرت ﷺ کی ذات عالی صرف مسلمانوں کے لئے ہی رحمت نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمت ہے، عموماً مسلمان اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ذات عالی سے خود بھی ناواقف رہے اور دوسروں کو بھی واقف نہیں کرایا نتیجہ یہ ہوا کہ سرپھرے اور کم عقل بلکہ احمق اور بے وقوف اور بے ادب اپنی جہالت و نادانی یا سرکشی وعدوانی سے آنحضرت ﷺ کی ذات عالی میں گستاخیاں کرنے لگے، جس کی تازہ مثال ڈنمارک کے اخبارات میں چھپنے والے بے ہودہ مضامین اور ناشائستہ کارٹون ہیں، جن کی اشاعت نے سارے عالم کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے، اور ہر مسلمان کا دل اس واقعہ سے حزین و غمگین ہے، ڈنمارک کی ان بے ہودہ حرکتوں کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ انڈیا کے ایک اخبار نے بھی اس قسم کی گستاخانہ حرکت کی، جس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، اور اس سے زیادہ احتجاج ہونا چاہئے بلکہ پورے عالم کے مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی گستاخی اور بے ہودہ حرکت کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے متحد ہو جانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو ضرور سزا دیتے ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا

مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤١﴾﴾ [سورہ الانبیاء: ۴۱]

ترجمہ: "اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا، پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔"

ان گستاخوں کو یقیناً دنیا میں بھی ضرور سزا ملے گی، اور آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے ہی۔

آج مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے واقف ہو کر دوسرے انسانوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں آنحضرت ﷺ کی شخصیت سے واقف کرائیں اور آنحضرت ﷺ کے مقام عالی کو خوب عام کریں، خود بھی آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ سے محبت کریں اور اپنی نئی نسلوں کو اور سارے انسانوں کو بھی محبت رسول (ﷺ) پر ابھاریں کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کو کھینچنے والی ہے، آنحضرت ﷺ سے محبت کرنا ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے، ہم نے اختصار کے ساتھ اس کتاب میں قرآنی آیات کی روشنی میں عظمت رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے مقام عالی کو بیان کیا ہے۔

کتاب کی تالیف میں اکثر وبیشتر حصہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی تفسیر انوار البیان سے لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر دیگر تفاسیر سے بھی استفادہ کیا ہے جن کا حوالہ اسی جگہ پر ذکر کر دیا ہے۔

ان تفاسیر میں سے معارف القرآن مؤلفہ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد

شفیع صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اور معارف القرآن مؤلفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ، اور انوار القرآن مؤلفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نعیم صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ عربی کی معتبر تفاسیر سے بھی لیا ہے، جیسے تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، تفسیر رازی، تفسیر آلوسی وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس متواضع کوشش کو قبول فرما کر ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے، اور اس کتاب کی تالیف میں جنھوں نے ساتھ دیا جیسے عزیزم نور چشم حافظ حماد الرحمن سلمہما اللہ تعالیٰ اور عزیزم مولانا محمد جاوید اشرف مدنی الندوی کو خوب خوب دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے، اور دونوں کو دینی و دنیوی واخروی خوب ترقیات سے نوازے، اور اپنے بندوں کو اس کتاب سے خوب زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر پڑھنے والوں کا دل آنحضرت ﷺ کی محبت سے لبریز فرمائے۔ آمین۔

وما ذلك على الله بعزيز. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب
العالمين والصلاة والسلام على نبي الرحمة سيدنا
محمد بن عبد الله الأمين وعلى آله وصحبه
ومن اهتدى بهديه إلى يوم الدين.

قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

بندہ ابو محمد / عبد الرحمن الکوثر عفا اللہ عنہ وعافاہ وجعل آخرتہ خیراً من أولاہ.
ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ
استاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ (علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام)
۴؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۵؍اگست ۲۰۰۹ء

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا

رسول اکرم ﷺ کے بڑے بڑے فضائل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سورۂ فاتحہ اور قرآن حکیم عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾﴾ [سورۂ حجر: ۸۷]

ترجمہ: "اور ہم نے آپ (ﷺ) کو سات آیتیں عطا فرمائیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔"

سورۂ فاتحہ مکی ہے، بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا کہ یہ سورت دوبار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اس سورت کے بہت سے نام ہیں سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے۔ تفسیر اتقان میں پچیس نام ذکر کئے ہیں جن میں چند نام یہ ہیں: فاتحۃ الکتاب، فاتحۃ القرآن، ام الکتاب، ام القرآن، السبع المثانی، سورۃ المناجاۃ، سورۃ السوال، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر۔

السبع (سات) اس لئے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس

لئے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب صحیح بخاری (ص ۶۴۲ ج ۲) میں فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اسی سے قراءت شروع کی جاتی ہے اور سورۂ فاتحہ کی یہ بھی بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۂ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں صحیح بخاری (۶۴۲ ج ۲) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو اعظم سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ توریت میں اتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (باب ماجاء في فضل فاتحة الكتاب) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اس خزانہ سے اتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اتاری گئی، ① ام الکتاب ② آیۃ الکرسی ③ سورۂ بقرۃ کی آخری آیات ④ سورۂ کوثر۔

(درمنثور (ص ۵ ج ۱) عن الطبرانی والضیاء المقدسی فی المختارۃ)

حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس ملعون چار مرتبہ رویا، ایک تو اس وقت رویا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا، تیسرے جب زمین پر اتارا گیا، چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فخر عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوش خبری سن لیجئے، دونوں نور آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔

① فاتحۃ الکتاب، ② سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعا ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لئے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو بھی کچھ آپ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے۔

تفسیر اتقان میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ میں (اجمالی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کے لئے براعت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں اور علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں:

❶ اللہ پاک کی ذات وصفات کو جاننا اس کی طرف سورۂ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾

❷ نبوت ورسالت اس کی طرف ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں اشارہ ہے۔

❸ قیامت، اس کی طرف ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ میں اشارہ ہے۔
دوم علم العبادات، اس کی طرف ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں اشارہ ہے۔ سوم، علم السلوک یعنی نفس کو آداب شرع کا پابند بنانا اور احکامِ خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں اور ﴿اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں اشارہ ہے۔ چہارم، علم القصص یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات، ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت وکامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی وبربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے، اس مقصد کی طرف ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ میں اشارہ ہے۔

❁ فضیلت ❁

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کو ایسی کتاب عطا فرمائی جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

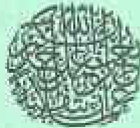
﴿الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵﴾ [البقرہ: ۱-۵]

ترجمہ: "الم۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اُتارا گیا ہے آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔"

تفسیر: اس آیت میں فرمایا کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں یعنی یہ واقعی سچی کتاب ہے جو رسول اکرم ﷺ پر نازل کی گئی ہے اور یہ ہدایت ہے متقیوں کے لئے اور سورۃ البقرۃ رکوع نمبر ۲۳ میں فرمایا "هُدًى لِّلنَّاسِ"، یعنی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت عام ہے آپ ﷺ کو قرآن پاک جو عطا کیا گیا اس میں ہر انسان کو حق قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔



❁ فضیلت ❁

یہ کتاب یعنی قرآن عظیم رسول انور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

یہ قرآن کریم رسول اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، جو لوگ اس کتاب میں شک کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾﴾ [البقرہ: ۲۳]

ترجمہ: "اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلا لو اپنے مدد گاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔"

تفسیر: حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ خاتم النبیین ﷺ کی بعثتِ عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لئے ہے، قیامت آنے تک آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے میں نجات ہے آپ ﷺ کے معجزات لکھتے ہوئے امام بیہقی ایک ہزار تک پہنچے ہیں اور امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے حضرت محمد ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر فرمائی ہے، اور حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ

کے معجزات بے شمار ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حِکَم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادات ہے اور معجزہ ہے رسول اکرم ﷺ کے ہزار و معجزات متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں اور صدہا ان میں سے متواتر اور مشہور ہیں اور جلالت شان و ندرت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں، آنحضرت ﷺ کے معجزات کی بہت سی قسمیں ہیں معجزات عقلیہ اور معجزات حسیہ اور معجزات علمیہ اور معجزات عملیہ، وما الی ذلک، اور یہ معجزات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ ان معجزات میں سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اوّلین چونکہ اہل عرب ہی تھے۔ اس لئے یہ ایک ایسا معجزہ دے دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے (اور اُس کو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی اُن قصائد میں شامل ہے جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے دریافت کرایا کہ زمانہ اسلام میں آپ نے کیا اشعار کہے ہیں اُنہوں نے جواب دیا۔ "أبدلني الله بالشعر سورة البقرة وسورة آل عمران." (الاصابہ ص ۳۲۶ ج ۳)

مذکورہ بالا آیت میں اہل عرب کو قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرنے کے لئے تحدی کی گئی ہے یعنی مقابلہ میں کوئی سورت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔

چیلنج کے تین مرحلے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو سچا نبی ہونا ثابت فرماتے ہوئے قرآن پاک کو دلیل نبوت قرار دیا اور چیلنج فرمایا کہ اس جیسا بنا کر لا کر دکھاؤ اور یہ چیلنج تین مرحلوں پر تھا:

پہلا مرحلہ: کہ اس جیسا قرآن بنا کر لا کر دکھاؤ۔

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾﴾ [سورۂ اسراء: ۸۸]

ترجمہ: "آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جنات کہ وہ لے آئیں اس قرآن جیسا تو نہیں لائیں گے اس جیسا اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔"

دوسرا مرحلہ: کہ اس جیسی صرف دس سورتیں بنا کر لا کر دکھاؤ۔

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾﴾ [سورۂ ہود: ۱۳]

ترجمہ: "کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنا لیا ہے آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

بس اس جیسی دس سورتیں بنانے سے عاجز رہ گئے پھر حکم ہوا کہ ان کو آپ قرآن جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج کیجئے۔

تیسرا مرحلہ: قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لا کر دکھاؤ۔

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾﴾

[سورۂ یونس: ۳۸]

ترجمہ: "کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو آپ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے تم اس جیسی (ایک) سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

یعنی تم سب اپنے حامیوں اور مددگاروں کو بلا لو اور اللہ تعالیٰ کے سوا سارے حمایتیوں کو جمع کرو پھر قرآن کریم جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو۔ پہلے دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت لانے کے لئے فرمایا گیا تمام فصحاء بلغاء ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنا کر نہ لا سکے اور یکسر عاجز رہ گئے۔

قرآن کریم کا معجزہ ہونا ایسی ظاہر بات ہے جو سب کے سامنے ہے اور سب کو اس کا اقرار ہے دشمن بھی اس کو جانتے اور مانتے رہے ہیں۔ زمانہ نزولِ قرآن میں بعض جاہلوں نے تو یہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی کہ ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا﴾ [سورۂ انفال: ۳۱] (اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ دیں) لیکن کر کچھ نہ سکے اور کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ

عبارتیں بنائیں پھر خود ہی آپس میں مل بیٹھے تو اس بات کا اعتراف کر لیا کہ یہ قرآن جیسی نہ بنی اور آج تک بھی کوئی بنا کر نہ لا سکا اور نہ لا سکے گا۔ جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے:

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾﴾

[سورۃ البقرۃ: ۲۴]

ترجمہ: "سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔"

تفسیر: اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ہرگز قرآن کے مقابلہ میں اس جیسی کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکتے ہو اور کبھی نہ لا سکو گے۔ اس میں رہتی دُنیا تک کے لئے قرآن کے دنیا میں باقی رہنے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ اس جیسا کوئی بھی جماعت یا کوئی فرد نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہیں سچی ہیں سب کے سامنے ہیں چونکہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت عام ہے تمام افراد انسانی جب تک بھی دنیا میں رہیں ان پر فرض ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کا دین قبول کریں۔ چونکہ سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں اور سارے مکانوں میں آپ ﷺ کی دعوت ہے اور یہ دعوت قیامت آنے تک ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی بھی ضرورت تھی جو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے تمام انسان اور جنات افراد اور

جماعتیں عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔ اور حضرت محمد ﷺ کے سچا نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

قرآن موجود ہے اس کی دعوت عام ہے اس کی حقانیت اور سچائی واضح ہے پھر بھی کفر میں اور شرک میں بے شمار قومیں کروڑوں افراد مبتلا ہیں قرآن سنتے ہیں اور اس کو حق جانتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ عناد اور ضد اور تعصب قومی اور مذہبی نے ان کو دعوت قرآن کے ماننے سے اور اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے سب کچھ جانتے ہوئے پھر اسلام قبول نہ کرنا اپنے لئے عذابِ آخرت مول لینا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کے مقابلہ میں کوئی سورت نہیں لا سکتے اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ یعنی قرآن لانے والے (حضرت محمد ﷺ) کی رِسالت اور دعوت کے منکر ہو کر عذابِ دائمی کے مستحق نہ بنو اور دیکھتے بھالتے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن نہ بنو اور آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ انسان تو وہی ہیں جو اس کے منکر ہیں اور ایمان لانے کو تیار نہیں اور پتھروں کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر جن کی دنیا میں مشرکین عبادت کیا کرتے تھے، دوزخ میں ہوں گے۔ سورۂ انبیاء میں فرمایا:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾﴾ [سورۂ انبیاء: ۹۸]

ترجمہ: "بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہوں گے، تم اس پر وارد ہونے والے ہو۔"

تفسیر درمنثور میں (ص ۳۶ ج۱) بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبد

اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ میں فرمایا ہے کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا۔

فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے وقت آداب کے ملحوظ رکھنے کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (١٠٤)﴾ [البقرة: ۱۰۴]

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم "راعنا" مت کہا کرو، بلکہ "انظرنا" کہو اور دھیان سے سنا کرو، اور یہ کافر دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔"

تفسیر: آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ یہود از روئے شرارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "راعنا" کہتے تھے، "راعنا" عبرانی زبان میں برے معنی میں استعمال ہوتا ہے، رعونت سے مشتق کرکے اس کو احمق کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا، اسی طرح راعی عربی زبان میں چرواہے کو بھی کہتے ہیں، یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے وقت یہ

لفظ بولتے تھے، جبکہ مسلمان اس لفظ کو رعایت کے معنی میں استعمال کرتے تھے یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رعایت فرمایئے، مگر چونکہ لفظ کئی معنی رکھتا تھا، اس لئے اُس برے معنی کا احتمال اور شائبہ بھی مسلمانوں کو نہ تھا جو معنی یہود مراد لیتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیدیا گیا کہ وہ اس کو استعمال نہ کریں، تاکہ یہود کو برے معنی کے لفظ سے مخاطبت کا موقع میسر نہ آئے، یہودی شرارت آمیزی سے کسی موقع پر بھی نہیں چوکتے تھے، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں بھی ذو معنیین لفظ استعمال کرکے اپنی شرارت کرتے تھے، مسلمان بھی یہ لفظ استعمال کرتے تھے مگر ان کا ذہن یہود کی شرارت کی طرف نہیں گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کو ایسا صاف شفاف فرمایا کہ اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ یہ "راعنا" کا لفظ استعمال نہ کریں جس کو یہود استعمال کرکے شان رسالت میں گستاخی کرتے ہیں۔

یہود لفظ "راعنا" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے اور پھر اپنی بیٹھکوں میں بیٹھ کر باہم ہنستے اور خوش ہوتے کہ دیکھو اب تک تو ہم پیٹھ پیچھے ہی ان کو (مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) برا کہتے تھے، اب علانیہ طور پر بھی برا کہنے کی ایک تدبیر ہاتھ آگئی، اور مسلمان بھی ہماری تفریح اور مذاق کا موضوع بن گئے۔

یہود ملاعین کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کی شرارت سے خوب واقف ہے، اور وہ کیونکر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو ہنسنے کا موقع دے گا، اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے استعمال سے اہل ایمان کو بالکل منع فرمادیا، اور حکم فرمایا کہ اس لفظ کے بجائے "انظرنا" کہا کرو، جس میں یہودیوں کے لئے

شرارت کا امکان نہیں۔

معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی زبان جانتے تھے، انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہودی "راعنا یا محمد ﷺ" کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں، لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن ماردوں گا، وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو، اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔

آیت مبارکہ سے آنحضرت ﷺ کے مقام عالی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ کوئی اس کے حبیب ﷺ کی شان میں ایسا لفظ استعمال کرے جس میں گستاخی کا کوئی پہلو ہو۔

فضیلت

رسول اللہ ﷺ اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَٱجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾﴾ [البقرة: ۱۲۷-۱۲۹]

ترجمہ: "اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسمٰعیل بھی اے ہمارے رب قبول فرمالے ہم سے بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور فرمادے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور فرمادے ہماری اولاد میں سے ایک اُمت جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں بتادے ہمارے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرما۔"

بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب بھیج دے اُن میں ایک رسول اُن میں سے جو تلاوت کرے اُن پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔

تفسیر: اس آیت میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا تذکرہ ہے، کعبہ شریف بناتے ہوئے جو دعائیں ان دونوں حضرات نے کی تھیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے کہ اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما، اس رسول سے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ مراد ہیں جو عربی بھی تھے اور مکی بھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں کی نسل میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہی کی نسل میں سے تھے، اور حضرت سرور دو عالم خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ سب بنی اسحاق تھے اور آپ ﷺ ہی بنی اسماعیل میں سے ہیں، مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے (ج ۱/۱۸۴) مسند احمد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کا ابتدائی تذکرہ اولاً کیسے شروع ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا

کہ: "دعوة أبي إبراهيم وبشرى عيسى، ورأت أمي أنه يخرج منها نور أضاءت منها قصور الشام" یعنی میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں، اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں، اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا میں اس خواب کا مظہر ہوں۔ (مسند احمد/حدیث امامہ الباہلی)

یہ حدیث صاحب مشکوۃ نے بھی شرح السنۃ سے نقل کی ہے، اس میں یوں ہے کہ: میں اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں، جنھوں نے وضع حمل کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور روشن ہوا، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ حدیث نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ کہ سب سے پہلے جنھوں نے میرا تذکرہ کیا اور لوگوں میں مجھے مشہور کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ تذکرہ دعا کی صورت میں تھا، ذکر مشہور ہوتا رہا، یہاں تک کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جو آخری نبی تھے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھوں نے آپ ﷺ کا نام لے کر بشارت دی، اور بنی اسرائیل کو خطاب کرکے فرمایا:

﴿يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُم مُّصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَمُبَشِّرَۢا بِرَسُولٖ يَأۡتِي مِنۢ بَعۡدِي ٱسۡمُهُۥٓ أَحۡمَدُۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِٱلۡبَيِّنَٰتِ قَالُواْ هَٰذَا سِحۡرٞ مُّبِينٞ ٦﴾ [سورۂ صف: ۶]

ترجمہ: "اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں، میرے سامنے جو تورات ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں،

جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہو گا۔"

تفسیر: زمانہ حمل میں آپ ﷺ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے، انہوں نے اپنا خواب اپنی قوم کو سنایا جو لوگوں میں مشہور ہو گیا، اور یہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لئے ایک بہت بڑی تمہید تھی آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا جن کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی، اور عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی، آپ ﷺ کا نام احمد بھی ہے، اور محمد ﷺ بھی، آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت ختم فرما دی، اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے رہتی دنیا تک آپ ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیا اور سورۂ احزاب میں آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرما دیا، اور آپ ﷺ نے "لا نبي بعدي" میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور "ختم بي النبيون" (مجھ پر نبیوں کی آمد ختم ہو گئی) اور "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي" (بلاشبہ رسالت و نبوت ختم ہو گئی، اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی ہے) اعلان فرمایا، آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت عامہ کا اعلان فرمانے کے لئے سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا﴾ [سورۂ اعراف: ۱۵۸]

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو بے شک میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں۔"

فضیلت

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کی بعض صفات کا ذکر

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی نسل میں جو حضرت محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی ان کی صفات میں ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِكَ﴾ [البقرہ: ۱۲۹] اور ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ [البقرہ: ۱۲۹] فرمایا تھا، سورۂ آل عمران میں بھی آپ ﷺ کی یہ صفات مذکور ہیں، اور سورۂ جمعہ میں بھی آپ ﷺ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں، یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سپرد فرمادیئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو پوری طرح سے انجام دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سورۂ بقرۃ میں اول تو یہ فرمایا کہ: ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِكَ﴾ [البقرہ: ۱۲۹] کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا، حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید، اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی، اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا اور سننا اور سنانا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور مقصود ہے۔

بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں، اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟

یہ لوگ کلام الٰہی کا مرتبہ و مقام نہیں سمجھتے، دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں، قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی

کتابوں پر قیاس کرتے ہیں، اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں، کہ قرآن کے معانی اور مفاہیم کا سمجھنا کافی ہے، اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں، (والعیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے، صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے، تاکہ اگر مطبوعہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن شریف اپنی تمام قراءتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔

فضیلت

کتاب اور حکمت کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم دیں، کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں، اور معانی بھی سمجھائیں، عربی زبان جاننا قرآن سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے، قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی اور جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سیکھی، پھر ان سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے امت تک پہنچی، سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [سورۂ نحل: ۴۴]

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ بیان کریں جو ان کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔“

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں، اور گمراہ کر رہے ہیں، یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا خط ہے، جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے، اور رسول ﷺ کی حیثیت محض ایک ڈاکیہ کی ہے (معاذ اللہ)، اور ڈاکیئے کا کام خط پہنچا دینا ہے، خط پڑھ کر سنانا سمجھانا اس کا کام نہیں، یہ فرقہ منکرین حدیث کا ہے جو ایسی جاہلانہ وکفریہ باتیں کرتا ہے، قرآن مجید نے تو اپنے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خط ہے، جو مخلوق کی طرف آیا ہے، اس کو خود ہی سمجھ لینا، اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا، بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے، اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے بچائے۔

آیت شریفہ میں ”الکتاب“ اور ”حکمت“ دو لفظ مذکور ہیں ان دونوں کی تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کے منصب ورسالت کے فرائض میں شمار فرمایا ہے، مفسر بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے، اور الحکمت سے مجاہد کی تفسیر کے مطابق فہم القرآن مراد ہے، اور بعض حضرات نے اس سے احکام قضا مراد لئے ہیں، اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر العلم

والعمل سے کی ہے۔

صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ الحکمۃ سے کتاب اللہ کے حقائق ودقائق اور وہ سب چیزیں مراد ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے، اس صورت میں تعلیم کتاب سے مراد اس کے الفاظ سمجھنا اور اس کی کیفیت ادابیان کرنا مراد ہے، اور تعلیم حکمت سے اس کے معانی اور اسرار اور جو کچھ اس میں ہے اس سے واقف کرانا مراد ہے، اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر یوں کی ہے ”ما تکمل بہ النفوس من المعارف والأحکام“ یعنی وہ تمام معارف اور احکام جن سے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے، حکمت سے وہ سب مراد ہے۔

درحقیقت حکمت کے جو معانی حضرات مفسرین نے بتائے ہیں وہ ایک دوسرے کے معارض اور منافی نہیں ہیں مجموعی حیثیت سے ان سب کو مراد لیا جاسکتا ہے۔

تزکیہ نفوس:

رسول اللہ ﷺ کا تیسرا فرض منصبی ”وَ يُزَكِّيهِمْ“ بیان فرمایا، لفظ یزکی تزکیہ سے مضارع کا صیغہ ہے، تزکیہ لغت میں پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب اللہ کا پڑھا دینا اور سمجھا دینا ہی نہیں تھا، بلکہ نفوس کا تزکیہ بھی آپ ﷺ کے فرض منصبی میں داخل تھا ”يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ میں ”تحلیة النفوس بالفضائل ویزکیھم میں تخلیة النفوس عن الرزائل“ کا ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ فرمایا، اور کفر وشرک کی

نجاست سے پاک کیا، ایمان اور یقین دیا، شک سے بچایا، گناہوں کی گندگی سے دور کیا، نفوس کے رزائل دور کئے، اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ بتائے، اور عمل کر کے دکھایا، گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہرہ وباطنہ دنیویہ اور اخرویہ سے باخبر فرمایا، نیکیوں کی تفصیلی فہرست بتائی، اور ان کے منافع دنیویہ اور اخرویہ سے مطلع فرمایا، حسد، بخل، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، حب جاہ کی مذمت فرمائی، حب فی اللہ، اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کے ساتھ رحم دلی، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجوار، غصہ پی جانا، وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی، انسان کو انسان بنایا، حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا، آپ ﷺ نے فرمایا: "بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔ (رواہ الامام مالک فی المؤطا)

نفوس کا تزکیہ صرف زبانی طور پر بتادینے سے نہیں ہوجاتا، اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے لئے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے، تاکہ وہ عملی طور پر ان کا تزکیہ کرسکیں، اور تاکہ ان کی صحبت سے انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں، اور اعمال صالحہ کے خوگر وعادی ہو جائیں، اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور ان سے بچ سکیں۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۱۹]

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ

ہو جاؤ۔"

اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے، جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے، اور نفس وشیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آجاتا ہے، جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ متبع سنت ہے یا نہیں؟ اس میں کتنی فکر آخرت ہے؟

اور حب دنیا اور جلب زر کے لئے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا، جس کسی کو متبع سنت اور آخرت کا فکرمند پائے اس کی صحبت اٹھائے، مال وجاہ کا حریص مصلح اور مرشد نہیں ہوسکتا، اس کی صحبت میں رہنا زہر قاتل ہے۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے درجات خوب زیادہ بلند فرمائے

اللہ تعالیٰ نے اس روئے زمین پر بہت سے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور ان میں باہم فرق مراتب بھی رکھا جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ [البقرہ: ۲۵۳]

ترجمہ: "یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا ہے، اور بعض کو

درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا۔"

تفسیر: لفظ "تِلْكَ" اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ الرسلین ہے یعنی یہ پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی، کہ بعض کو ایسی منقبت سے متصف فرمادیا جو بعض دوسروں میں نہیں تھیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں ﴿بَعْضَهُمْ﴾ سے سرور دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ خواص علمیہ و عملیہ عطاء فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح ذکر کرنے سے عاجز ہیں، آپ رحمۃ للعالمین ہیں، صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت ہے، آپ پر قرآن کریم نازل ہوا، جو پوری طرح محفوظ ہے، آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعہ مؤید ہے، مقام محمود اور شفاعتِ عظمیٰ کے ذریعہ آپ ﷺ کو رفعت دی گئی ہے، اور آپ ﷺ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے، حضرات علماء کرام نے آپ ﷺ کے معجزات اور مناقب اور خصائص پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الخصائص الکبریٰ، اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب دلائل النبوۃ کا مطالعہ کیا جائے، آخر الذکر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔



فضیلت

رسول اکرم ﷺ سے حجت بازی کرنے والوں کے لئے اعلان مباہلہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَـٰذِبِينَ ﴿٦١﴾﴾ [سورۂ آل عمران: ۶۱]

ترجمہ: "سو جو شخص ان کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آگیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر۔"

تفسیر: اس آیت میں دعوتِ مباہلہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیر نے (۴۳۸ ج۱) میں محمد بن اسحٰق بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا

ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا اُن میں سے ایک شخص کو سید کہتے تھے جس کا نام "اَیہَم" تھا اور ایک شخص ابو حارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اُسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سید اُن کا عالم تھا۔ ان میں مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابو حارثہ اُن کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لئے گرجا گھر بنا دیئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کا علم تھا کتب سابقہ میں آپ ﷺ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت وجاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بہت ہی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوبصورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجد نبوی ﷺ ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابو حارثہ عاقب اور سید نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولدُ اللہ ہے کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے، ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد! (ﷺ) عیسیٰ کا

باپ کون تھا؟ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کے شروع سے لے کر اسّی سے کچھ زائد آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہو گئی اور ان سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ......

دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو جائے، جب آنحضرت ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابو القاسم (ﷺ) ہمیں مہلت دیجئے ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار...... جب آپ ﷺ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبد المسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا اُن میں باقی نہیں رہا۔

اگر تمہیں اپنا بیخ ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ، مشورے کے بعد وہ

بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابو القاسم (ﷺ) ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ ﷺ اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلہ میں اختلاف ہے آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ (معالم التنزیل ص ۳۱۰ ج ۱) میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ﴿نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ﴾ آیت آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور اُن کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مہلت مانگی جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ ﷺ پہلے سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لا چکے تھے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پیچھے تھے آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا یہ سن کر کہنے لگے کہ اے ابو القاسم (ﷺ) ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور اپنے دین پر رہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول

کرو اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی وہ کہنے لگے کہ ہم جنگ کی طاقت نہیں رکھتے ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

❖ فضیلت ❖

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو قرار دیا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۱)﴾

[سورۂ آل عمران: ۳۱]

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔“

تفسیر: آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے، اتباع اپنے مقتدا کے پیچھے چلنے اور اس کی راہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں، جتنی بھی مذہبی قومیں ہیں وہ اللہ کو مانتی ہیں، (اگرچہ

ماننے کے طریقے مختلف ہیں) اور انھیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے اپنی کتاب میں اعلان کروادیا کہ محبت صرف دعوی کرنے کی چیز نہیں اس کا ایک معیار ہے اور وہ محبت معتبر ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو، اس محبت کا معیار جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کیا جائے، آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اور جو کچھ کر کے دکھایا ہے اسے اختیار کریں، اور اسے عمل میں لائیں، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہوگی، اور یہ محبت دنیا اور آخرت میں خیر وخوبی کا ذریعہ بنے گی، اتباع کے ساتھ اطاعت کا بھی حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ﴾ [سورۂ آل عمران: ۳۲]

ترجمہ: "آپ (ﷺ) فرمادیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی۔"

ان دونوں اطاعتوں سے اعراض کرنے والے کو کافر قرار دیا اور فرمایا:

﴿ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾ [سورۂ آل عمران: ۳۲]

ترجمہ: "اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔"

فرماں برداری عقائد میں بھی ہے اور ارکان دین میں بھی، اور فرائض میں بھی ہے، اور واجباتِ دین میں بھی ہے، عقائد اسلامیہ سے اعراض کرنا تو کفر ہے ہی ...... فرائض کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، اگر کسی کے عقائد صحیح

ہوں اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو اور فرائض کو فرائض مانتا ہو تو ترکِ فرائض کی وجہ سے اس کا کفر اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہوگا۔

جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے دعویدار ہیں ان کے لئے تو آیت شریفہ میں تنبیہ ہے کہ جب تک محبوب رب العالمین خاتم النبیین ﷺ کی دعوت پر لبیک نہ کہوگے، ان کی دعوت اور ان کا دین قبول نہ کروگے، تو اللہ سے محبت کرنے والوں میں اللہ کے نزدیک شمار نہ ہونگے، اور تمہاری محبت اور محبت کا دعوی سب ضائع ہوجائے گا، بیکار ہوجائے گا، اور اکارت ہوجائے گا، ساتھ ہی ان مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے جو اللہ سے محبت کے بھی دعویدار ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی محبت کا بھی بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے ہیں، لیکن نبی اکرم ﷺ کے اتباع اور اطاعت سے دور ہیں، کاروبار بھی حرام ہے، پھر بھی اللہ ورسول ﷺ سے محبت ہے، داڑھی منڈی ہوئی ہے، پھر بھی محبت کا دعوی ہے، لباس نصرانیوں کا ہے پھر بھی مدعیانِ محبت ہیں، ملکوں کو کافروں کے قوانین کے مطابق چلاتے ہیں پھر بھی محبت کے دعوے کرتے والے ہیں، یہ محبت نہیں محبت کا دھوکہ ہے اور جھوٹا دعوی ہے۔ (انوار البیان)

فضیلت

رسول اکرم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سب سے زیادۃ قریب تر ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾﴾

[سورۂ آل عمران: ۶۸]

ترجمہ: ”بلا شبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مؤمنین کا ولی ہے۔“

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟

پھر فرمایا:

﴿إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ﴾ (الآیۃ)

ترجمہ: ”بلا شبہ انسانوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا۔“

یہود ونصاریٰ نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ وہ یہودی اور نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تکذیب فرمائی اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی شریعت کا اتباع کیا وہ یہ نبی تھے یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور جو لوگ ان پر ایمان لائے یہ ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر ہیں کیونکہ یہ امت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ جیسا کہ سورۂ حج کے آخر میں فرمایا ﴿مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ﴾ توحید اور عقیدہ معاد میں تمام انبیاء علیہم السلام مشترک ہیں لیکن شریعتِ محمدیہ ﷺ کے احکام کثیر

تعداد میں ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہیں توحید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو محنت کی، جان جوکھوں میں ڈالی، اس کے لئے آگ میں ڈالے گئے، وطن چھوڑا۔ اسی طرح اُمت محمدیہ ﷺ نے پوری طرح محنت اور کوشش کر کے جانوں اور مالوں کی قربانی دے کر اس دعوتِ توحید کے لئے اور توحید پر خود باقی رہنے اور دوسروں کو باقی رکھنے کے لئے اُمت محمدیہ ﷺ نے جو قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر دوسری اُمتوں میں نہیں ملتی ہیں۔ یہود ونصاریٰ تو مشترک ہوگئے۔ انہوں نے تو توحید کی دعوت ختم ہی کر دی اُن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا عہد لیا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّۦنَ لَمَآ ءَاتَيْتُكُم مِّن كِتَٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِى ۖ قَالُوٓا۟ أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَٱشْهَدُوا۟ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٨١﴾﴾ [سورۂ آل عمران: ۸۱]

ترجمہ: "اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آجائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے گواہ ہوں۔"

تفسیر: مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے عہد نہ لیا ہو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی وصیت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں نبی اکرم ﷺ کی جس عظمت شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ ﷺ کی بعثت ہوتی تو آپ ﷺ ان کے لئے مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہو گئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخر زمانے تک۔ اور اس طرح سے حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں سب آپ ﷺ کی امت میں داخل ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً" صرف انہیں لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ سے پہلے تھے، اور اس سے آپ کے ارشاد "كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ

الرُّوحِ وَالْجَسَدِ"، یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے) کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔ (انوار البیان) خیر الأنبیاء اور سید الأنبیاء ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی امت بھی خیر الامم قرار دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نہ صرف خیر الأنبیاء و خاتم الرسل بنایا بلکہ آپ کی عزت وکرامت کو مزید شرف بخشتے ہوئے آپ ﷺ کی امت کو بھی خیر الأمم کے عظیم منصب سے نوازا اور ساری امتوں میں افضل قرار دیا، ارشاد عالی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

[سورۂ آل عمران: ۱۱۰]

ترجمہ: "تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی ہے لوگوں کے لئے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

تفسیر: اس آیت شریفہ میں امت محمد ﷺ کو خیر امت فرمایا ہے، اور اس امت کے نبی ﷺ بھی خیر الأنبیاء اور سید الأنبیاء ہیں، جس کا آیت: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ میں ذکر فرمایا ہے، نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "أنا سید ولد آدم" (کہ میں قیامت کے دن آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا رواہ مسلم) نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا، اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں، اور میرے

ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا، اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں، اور اس دن آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور نبی ہوں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہوں گا) اور میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں۔

(رواہ الترمذی)

فضیلت

نبی رحمت ﷺ رحمتِ الٰہی سے نرم و خوش مزاج تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

ترجمہ: "سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ﷺ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے، پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں، تو آپ اللہ پر توکل کیجئے بے

شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔"

تفسیر: آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے، لیکن آپ ﷺ کی خوش طبعی وخوش مزاجی اور اخلاق کریمانہ اور نرم دلی کی وجہ سے یہ حضرات آپ کے پاس جمے رہتے ہیں۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ کی گواہی آپ ﷺ کی امانت داری پر

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں اور بہت سی صفات کے بارے میں آپ ﷺ کے متصف ہونے کی خبر دی ہے، انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سرور کونین ﷺ کی امانت داری کی گواہی دی ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتبارک و تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾﴾ [آل عمران: ۱۶۱]

ترجمہ: "اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے، اور جو

شخص خیانت کرے گا، وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔"

تفسیر: درمنثور میں ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مالِ غنیمت میں سے ایک سرخ چادر نہیں مل رہی تھی، بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ غلول کرے، غلول کے اصل معنی خفیہ طریقہ سے کوئی چیز لے لینا، اور مطلق خیانت کو بھی غلول کہتے ہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ کو خوب پاکیزہ بیان فرمایا۔

تنبیہ: درمنثور میں جو یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے (یہ چادر) لے لی ہو، ان کہنے والوں سے مراد منافقین ہیں کیونکہ منافقین ہی ایسی بات کر سکتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے کہ منافقین نے ایسی بات کہی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی براءت میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور خود حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (درمنثور)

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر مؤمنین پر احسان فرمایا ہے

ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

ترجمہ: "درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جب کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرما کر ساری انسانیت اور سارے جنات پر عموماً اور ان میں سے مؤمنین پر خصوصاً احسان کا معاملہ فرمایا، اللہ جل شانہ بہت بڑے کریم ہیں، صدیوں سے لوگ شرک اور کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے بجز خال خال چند افراد کے، اللہ تعالیٰ کو ماننے والے دنیا میں رہے ہی نہ تھے، جو لوگ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو مانتے اور

جانتے تھے وہ بھی عموماً مشرک تھے، عرب اور عجم سب پر شیاطین کا تسلط تھا، پوری دنیا کفر کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، ایسے موقع پر اللہ جل شانہ نے نبی آخر الزمان سیدنا حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کی ذات گرامی سے تاریکیاں چھٹ گئیں، ایمان کا نور پھیل گیا، لاکھوں افراد جو کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو چکے تھے انھوں نے اسلام قبول کیا، اور وہ خود اور ان کی قیامت تک آنے والی نسلیں جو دین اسلام قبول کریں گی، وہ سب جنتی بن گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں میں سے رسول بھیجا تاکہ وہ قول سے بھی بتائے اور عمل سے بھی کر کے دکھائے، اور انھیں کے اندر رہتے ہوئے ان کی اصلاح کرے، ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات بھی سنائے، اور ان کو کتاب اور حکمت بھی سکھلائے، اور ان کا تزکیہ بھی کرے۔ یعنی ان کے نفسوں کو صفاتِ رذیلہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک کرے۔ (انوار البیان)

آیت مذکورہ کے متعلق ایک ضروری تشریح یہ ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیات کی رو سے یہ بات عیاں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک ساری کائنات کے لئے رحمت ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ "رحمۃ للعالمین" ہیں یعنی سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا وجود نعمتِ کبریٰ اور احسان عظیم ہے، اِس آیت کریمہ میں احسان کو مومنین کے ساتھ خاص فرمانے کی وجہ ایسی ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم کو ساری انسانیت کے لئے ہدایت نامہ بنا کر نازل کیا گیا، اور بعض جگہ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن پاک متقین کے لئے ہدایت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم تو ساری انسانیت کے لئے ہدایت نامہ اور

سر چشمہ ہدایت ہے مگر اس سے منتفع ہونے اور فائدہ اٹھانے والے مومنین ومتقین ہی ہیں، ایسے ہی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا وجود سارے عالم اور ہر مؤمن وکافر کے لئے نعمت کبریٰ اور احسان عظیم ہے مگر مومنین ہی آپ ﷺ سے فائدہ اٹھانے والے ہیں، اور اُن پر اللہ تعالیٰ کا احسان نہ ماننے والوں یا کفار ومشرکین سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جیسے زمرۂ انبیاء میں امامت وسیادت کا منصب حاصل ہے، اسی طرح انسانوں کو صحیح انسان بنانے میں بھی آپ ﷺ کی شان تمام انبیاء علیہم السلام سے بہت ممتاز ہے، آپ ﷺ نے مکی زندگی میں یہی کام افراد سازی کا انجام دیا، اور انسانوں کا ایسا معاشرہ تیار کر دیا جس کا مقام فرشتوں کی صفوف سے آگے ہے، اور زمین وآسمان نے اس سے پہلے ایسے انسان نہیں دیکھے، ان میں سے ایک ایک رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ نظر آتا ہے، ان کے بعد کے لئے بھی آپ ﷺ نے جو تعلیمات اور ان کے رواج دینے کے جو طریقے چھوڑے ہیں اس پر پورا عمل کرنے والے بڑا مقام حاصل کر سکتے ہیں، یہ تعلیمات سارے عالم کے لئے ہیں، اس لئے آپ ﷺ کا وجود مبارک پورے عالم انسان کے لئے احسان عظیم ہے گو پورا نفع مومنین ہی نے اٹھایا۔

(معارف القرآن / مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ بتصرف یسیر)

سبحان اللہ

٭ فضیلت ٭

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کردے گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِۦ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾ [النساء: ١١٥]

ترجمہ: ”جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کام کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔“

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کا اتباع کرے ہم اسے وہ کرنے دیں گے جو کرتا ہے (یعنی اپنے اختیار سے جس بُرائی میں لگا ہوا ہے دنیا میں ہم اسے کرنے دیں گے اس کا اختیار سلب نہیں کریں گے) اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے (یہ اس کو آخرت میں سزا ملے گی) اور دوزخ بُری جگہ ہے اس آیت میں دو باتوں میں دوزخ کے داخلہ کی خبر دی گئی

اوّل یہ کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ وہ تمام لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا علم ہوا اور پھر اسلام قبول نہ کیا اور ہر وہ شخص جس نے اسلام قبول کرلیا اور پھر اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر گیا وہ سب لوگ اس آیت کی وعید میں شامل ہیں۔ چوری کرنے والا وہ شخص جس کا واقعہ ان آیات کا سبب نزول بنا، مرتد ہو کر چلا گیا تھا اس لئے اس بات کو یہاں ذکر کیا گیا لیکن مفہوم اس کا عام ہے ہمیشہ جب کبھی بھی کوئی شخص اسلام قبول کرے پھر مرتد ہو جائے اس آیت کا مضمون اس پر صادق آئے گا یعنی وہ دوزخ میں جائے گا۔

اجماعِ امت بھی حجت ہے:

دوسری بات یہ بتائی کہ جو شخص مؤمنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ دین اسلام میں قرآن وحدیث حجت ہیں۔ اسی طرح اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ قرآن مجید کا مطلب اور عقائد واعمال کی تفصیلات جو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر ہر زمانے کے علماء، صلحاء اور مشائخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اُن کو ماننا اور اُن پر عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ اور ان ہی کے ذریعہ سے قرآن مجید کی تفسیر ہم تک پہنچی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی آپ سے سمجھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتائی پھر انہوں نے آگے اس کی روایت کی۔ عقائد بھی انہی حضرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اور فرائض و واجبات کا بھی انہی کے ذریعہ سے پتہ چلا ہے، اب جو کوئی شخص ان حضرات کو بیچ میں سے نکال کر خود اپنے پاس سے قرآن کی تفسیر

کرے گا اور آیات کے معانی و مفاہیم اپنے پاس سے تجویز کرے گا اور احکام اسلام کی اپنے طور پر تشریح کرے گا یا حجیت حدیث کا منکر ہو گا یا امت مسلمہ کے مسلّمہ عقائد کا انکار کرے گا۔ وہ کافر ہو گا، دوزخی ہو گا۔ جو لوگ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں یا جو لوگ پانچ نمازوں کے منکر ہیں یا جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں یا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا ان کی طبعی موت واقع ہونے کے قائل ہیں، یہ سب لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اب تک پوری امت کے جو عقائد ہیں یہ لوگ ان کے منکر ہیں، اپنے تراشیدہ عقیدہ کے حامل ہیں (اہل السنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ طبعی موت سے دنیا سے تشریف لے گئے وہ قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں گے امن و امان اور عدل و انصاف قائم کریں گے)۔

روح المعانی (ص ۱۴۶ ج ۵) میں ہے کہ حضرت امام شافعی سے ایک شخص نے کہا کہ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین دن تک روزانہ رات اور دن میں تین تین بار پورا قرآن مجید پڑھا اُن کو یہ آیت مل گئی جس سے انہوں نے اجماع امت کے حجت ہونے پر استدلال کیا۔ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں تین وعدے فرمائے اور اُن کو تین چیزوں سے امان دی ہے۔

اوّل یہ کہ کبھی پوری امت قحط کے ذریعے ہلاک نہ ہو گی۔

دوم یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان کا بالکل ہی ایک ایک فرد کر کے ختم نہ کر سکے گا۔

سوم یہ کہ ان کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ (رواہ الدارمی کما فی المشکوٰۃ ص ۵۱۴)

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزوں سے امان دی۔

اوّل یہ کہ تمہارا نبی تم پر بددعا نہ کرے گا جس سے تم ہلاک ہو جاؤ۔

دوم یہ کہ باطل اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے (جس سے حق مٹ جائے اور نور حق ختم ہو جائے)

سوم یہ کہ تم لوگ گمراہی پر جمع نہ ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ ج ۲)

فضیلت

رسول اللہ ﷺ کی رسالت اطاعت ہی کے لئے ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ ﴾ [النساء: ۶۴]

ترجمہ: ”ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا اسی لئے بھیجا کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے، اور جب انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے،

اور رسول ان کے لئے استغفار کرتے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا پاتے۔"

تفسیر: آیت سے تک جو آیتیں ہیں ان کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے اپنی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بشر نامی ایک منافق تھا، اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا، دونوں کو فیصلہ کرانا تھا، یہودی نے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلیں ان سے فیصلہ کرالیں گے، لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں، کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا، یہودی نے کہا کہ نہیں میں تو محمد ﷺ ہی کے پاس لے چلونگا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ کسی اور جگہ فیصلہ کرانے کو تیار نہیں، تو دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا، جب دونوں باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ چلو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، یہودی نے پورا واقعہ سنایا اور بتادیا کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ کردیا ہے، اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ اندر تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انھوں نے قتل کردیا، اور فرمایا کہ: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے، اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی، اور حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرکے دکھادیا، اسی وجہ سے ان

کو فاروق کہا جانے لگا۔

صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کردیا تھا، اس کے ورثاء خون کا بدلہ طلب کرنے کے لئے حاضر ہوگئے، اور جب ان کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ تمہارا آدمی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سن کر دوبارہ فیصلہ کرانے کے لئے اپنے ساتھی یعنی یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کیوں لے گیا؟ اور حضور اکرم ﷺ کے فیصلہ سے کیوں ناراض ہوا جو کہ سراسر کفر ہے، تو وہ اپنے آدمی کے اس عمل کی تاویلیں کرنے لگے۔

رسول کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانا ہے، اور رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا تو اس سے بشر منافق راضی نہ ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پھر سے مقدمہ پیش کرنے کی ضد کی، اس میں سراسر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے، نافرمانی کے باعث بشر منافق تو مقتول ہوگیا، لیکن اس کے متعلقین نے جو اس کے عمل کی تاویل کی اور عمل شر کو عمل خیر بنانے کی کوشش کی ان لوگوں نے بھی اللہ کی نافرمانی کی، ان کو چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپ ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے، تو اس طرح ان کی مغفرت اور بخشش کی صورت بن جاتی، سچی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں، خواہ تنہائی میں توبہ کی جائے، یا مجمع میں، لیکن خاص طور سے ان لوگوں کے لئے یہ فرمانا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار

کرتے اور آپ ﷺ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب اور رحیم پالیتے۔ اُس سے جو خدمت عالی میں حاضر ہونے کی شرط مفہوم ہورہی ہے، اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ انھوں نے آپ کے منصب نبوت پر حملہ کیا اور آپ ﷺ کے فیصلہ کو نظر انداز کرنے کا تاویلوں کے ذریعہ جواز نکالنا چاہا اور آپ ﷺ کو دکھ پہنچایا اس لئے ان کے جرم کی توبہ کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور یہ بھی کہ آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طریقے پر اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ طور پر ہو، یہ توبہ کا اصول ہے، ان کی حرکت معروف و مشہور ہوگئی، اور رسول اللہ ﷺ کو ان سے دکھ پہنچ گیا، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کریں۔ (انوار البیان)

☆ فضیلت ☆

کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دل وجان سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے والا نہ بن جائے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

[النساء: ٦٥]

ترجمہ: "سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہوں ان میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں، اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔"

تفسیر: صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک انصاری شخص (جو کہ نسباً انصاری تھا دین کے اعتبار سے نہ تھا) سے کاشت کے سیراب کرنے کے سلسلہ میں جھگڑا ہو گیا، دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (پانی کا بہاؤ کچھ اس طرح سے تھا کہ پہلے حضرت زبیر کی زمین پڑتی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر تم اپنی کھیتی کو سیراب کرلو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو، اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لئے آپ نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا، اور اس کو ترجیح دیدی، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے زبیر تم اپنی زمین کو سیراب کرو، اور پانی کو یہاں تک روک لو کہ تمہاری کیاریوں کے اوپر تک آجائے، پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو، آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے غصہ دلانے والے کلمات کی وجہ سے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا صاف صاف پورا حق دلادیا، حالانکہ آپ ﷺ نے پہلے ایسی بات فرمائی تھی جس میں دونوں کے لئے گنجائش تھی، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: میں خیال کرتا

ہوں کہ یہ آیت ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ میرے ہی بارے میں نازل ہوئی، مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر جب فریق مقابل راضی نہیں ہوا بلکہ اعتراض بھی کردیا، کہ آپ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کو ترجیح دی ہے، تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے آیت شریفہ نازل ہوئی۔

حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق پہلے اس لئے دیا کہ ان کی زمین پہلے پڑ رہی تھی، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ پہلے اپنی کیاریوں میں اوپر تک پورا پانی بھر لینا بلکہ صرف اتنا فرمایا تھا کہ تم اپنی زمین سیراب کرکے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دینا، لیکن اس شخص نے جب ایسی بات کہہ دی جو اوپر مذکور ہوئی تو آپ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا پورا حق دے دیا، کہ پہلے تم اچھی طرح سیراب کرلو، پھر پانی چھوڑدو، پہلا فیصلہ اس شخص کے حق میں بہتر تھا، اس نے یہ تو نہ دیکھا کہ زبیر کو پوری کیاریاں پر کرنے کو نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ دیکھ لیا کہ ان کو پہلے اپنی زمین سیراب کرنے کا حق دیدیا۔ آیت بالا میں مستقل یہ قانون بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر دل وجان سے راضی ہونا، یہی ایمان کا تقاضا ہے جب آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ سامنے آجائے تو اس کے خلاف اپنے نفس میں ذرا بھی کچھ تنگی محسوس نہ کرے، سبب نزول خواہ وہی ہو جو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا لیکن آیت کے عموم نے بتادیا کہ جب بھی کوئی واقعہ پیش آجائے جہاں ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرتا ہو اور ان کے جھگڑے مٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ موجود ہو تو ہر فریق دل وجان سے اسی پر راضی ہو جائے، ذرا سا بھی کوئی تکدر اور میل اپنے دل میں نہ

لائے، بہت سے لوگ جو اپنے معاملات اور مخاصمت میں غیر اسلامی قوانین کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کے سامنے قرآن وحدیث کا فیصلہ لایا جاتا ہے، تو اس سے راضی نہیں ہوتے، ایسے لوگ اپنے ایمان کے بارے میں غور کرلیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں قسم کھا کر خوب واضح طریقہ سے بتادیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کو اپنے جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں، اور فیصلہ کراکر آپ کے فیصلہ پر دل وجان سے راضی نہ ہوں، اور پوری طرح فیصلے کو تسلیم نہ کرلیں، تو ایسے لوگ مؤمن نہ ہوں گے، جب تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں تھے، اس وقت تک آپ ﷺ کی ذات اطہر سامنے تھی اور آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد قرآن مجید اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ موجود ہیں، آپ ان کو سامنے رکھ کر اپنے فیصلے چکائیں، اور جو مسلمان قاضی اور حاکم ہیں انہیں کے مطابق فیصلے کریں، اگر ایسا نہ کریں گے تو قرآن مجید کی تصریح کے مطابق ''لا یؤمن'' کا مصداق ہوں گے۔

دور حاضر کے لوگوں کی بدحالی لوگوں کے ذہن مغرب کے بنائے ہوئے ظالمانہ قوانین سے اس قدر مغلوب اور مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کے مطابق ظالم بننے اور مظلوم بننے کو تیار ہیں لیکن اسلام کے عادلانہ قوانین پر عمل کرنے کو تیار نہیں، زنا کاری کے عام ہو جانے پر خوش ہیں، چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں جنھیں بھگتتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے قوانین نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں، ان قوانین کو نہ صرف دل سے برا جانتے ہیں بلکہ صاف الفاظ میں ظالمانہ کہہ کر کفر اختیار کرلیتے ہیں، اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانیوں کو سنگسار کرنے اور کوڑے لگانے کی حد جاری کی جائے اور شراب پینے والوں کو

ڑے لگائیں جائیں اور ڈاکوؤں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سورۂ مائدہ میں کور ہے، کہ ان کو (حسب واردات) قتل کیا جائے، یا سولی پر چڑھایا ئے، یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں، یا جیل میں ڈالا جائے، اور قاتلوں سے اص دلایا جائے، اور دیت کے احکام نافذ ہوں، تو یہ جھگڑے فسادات ریاں ڈکیتیاں اور زنا کاری کا وجود ختم ہو جائے، کہنے کو مسلمان ہیں لیکن کام قرآنیہ پر راضی نہیں، کافروں کے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، اور صلے کراتے ہیں، ایسے لوگ غور کرلیں، ان کا کیا دین وایمان ہے، آیت بالا میں یا کہ مؤمن ہونے کے لئے صرف یہی شرط کافی نہیں کہ اپنے جھگڑوں کے صلے رسول اللہ ﷺ سے کرائیں بلکہ یہ بھی شرط ہے کہ آپ ﷺ کے صلے پر دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کریں۔ (تفسیر انوار البیان)

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: ٨٠]

ترجمہ: ”جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی۔“

سیر: اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کی فرماں داری کو اپنی ہی فرماں برداری قرار دیا، اس آیت کریمہ کے شان نزول (معالم

التنزیل ص ۴۵۵ ج ۱) میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ ”من أطاعني فقد أطاع الله وعن أحبني فقد أحب الله“ (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی) تو بعض منافقین نے کہا کہ بس جی یہ آدمی تو یہی چاہتا ہے کہ ہم اسے رب ہی بنالیں، جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو رب بنایا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی، جس میں یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرماں برداری ہے، کیونکہ آپ جو کچھ حکم دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، پیغام پہنچانے والے کے واسطہ سے جو پیغام پہنچے اور اس پر عمل کیا جائے وہ پیغام بھیجنے والے ہی کے حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیغام لانے والا رب ہو جائے۔

نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ورسالت کے درجہ سے آگے بڑھا دیا، ان کو خدا کا بیٹا بتادیا، اور ان کو الوہیت کا درجہ دیدیا، کہاں نصاریٰ کی جہالت اور حماقت اور کہاں رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ [النساء: ٥٩]

ترجمہ: "اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی فرمانبرداری کرو جو اولوالامر ہیں تم میں سے، پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹادو، اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے۔"

آپس کے اختلاف کے رفع کرنے کے لئے اس آیت میں سب سے بڑا سنہری اصول بتایا ہے، اور وہ یہ کہ جب اللہ پر ایمان لے آیا، اور آخرت کے دن پیشی اور وہاں کے حساب کتاب کو بھی جزء ایمان بنالیا، تو مؤمن کی شان یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرے، آپس میں جب کوئی نزاع ہو جائے تو نمٹانے کے لئے ہر فریق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرے، اور جو کتاب و سنت کا فیصلہ ہے اس پر راضی ہو جائے، اور اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کے سامنے ختم کردے، مؤمن بندے کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی رہے۔

فضیلت

رسول اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَىْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾ ﴾

[النساء: ١١٣]

ترجمہ: "اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو اُن میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ آپ کو بہکادیں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی ہی جانوں کو، اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب، اور حکمت، اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔" (انوارالبیان)

تفسیر: اس آیت شریفہ کے سبب نزول میں مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے، جس کو ہم تطویل کے خوف سے یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انوار البیان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر انعامات کا ذکر فرمایا۔

پہلا انعام: کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

دوسرا انعام: آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

تیسرا انعام: کہ جو آپ کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرے

وہ ناکام ونامراد ہو جائے گا، اور آپ ﷺ کو دینی اعتبار سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا، جیسا کہ امام فخر الرازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے، اور علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس کے ذیل میں دنیوی نقصان سے محفوظ رہنے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

چوتھا انعام: آپ ﷺ پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی، اور یہ کتاب قرآن کریم ہے جو تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور ان کے جملہ مضامین پر حاوی ہے، اور تحریف تبدیل سے قیامت تک محفوظ ہے، باطل اس کی طرف کسی بھی جانب سے نہیں آسکتا، اور اس کتاب کے اتنے فضائل ہیں کہ اس پر مستقل کتابیں علماء کرام نے تحریر فرمائی ہیں، اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے فرقان سے بھی موسوم فرمایا یعنی حق اور باطل میں تمیز کرنے والی کتاب، اور حلال وحرام، اور خیر وشر کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نور سے بھی موسوم فرمایا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور جملہ مؤمنین کے قلوب کو منور فرمایا، اور رسول اللہ ﷺ نے رب العالمین کے حکم سے لوگوں کو اس کتاب کے ذریعہ کفر اور شرک کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں داخل فرمایا ہے، اور اس کتاب کو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لئے مکمل دستور حیات بنایا ہے، اور اس کتاب کو اللہ جل جلالہ نے روحانی وجسمانی شفا بنایا، اور اس کتاب کی تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا حکم فرمایا، اور اس کتاب کا حفظ کرنا نہایت آسان فرما دیا، اور اس کے معانی کو اپنے پیارے نبی ﷺ پر کھول دیا، اور آپ ﷺ نے ان معانی کو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کو سکھادیا، اس کتاب کو بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا حرام قرار دیا،

اور اس کی تلاوت کے وقت فرشتوں کا اور سکینہ کے نازل ہونے کو مقدر فرمایا، اور اس کتاب کو عقائد اسلامیہ کی اساس، اور رسول اللہ ﷺ کے سچا نبی ہونے کی سب سے بڑی حجت قرار دیا، اس کتاب کی تلاوت پر ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اور ایک نیکی دس کے برابر ہے، اور اس میں تدبر کرنے کا حکم فرمایا، اور اس کا سننا قیامت کے دن باعث نور ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو بلند فرمادیتے ہیں، اور بہت سوں کو پست فرمادیتے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو چیلنج فرمایا کہ اس جیسی کتاب لاکر دکھاؤ، سارے انسان اور جنات عاجز رہ گئے اور قیامت تک عاجز ہی رہیں گے، پھر دوسرا چیلنج اس جیسی دس سورتیں بنانے کا فرمایا، اس پر بھی سب ہی عاجز رہ گئے، پھر تیسرا چیلنج اس جیسی ایک سورت بنانے کا فرمایا، اس پر بھی سب عاجز رہ گئے، اور تاقیامت عاجز رہیں گے، اس کتاب کی تلاوت سے قلوب کا زنگ دور ہوتا ہے اور قلوب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، اور تقرب إلی اللہ حاصل ہوتا ہے، اور یہ کتاب اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثال ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے صفت کریمی سے موصوف فرمایا، اور اس کو عظیم قرار دیا، اور رحمت سے متصف فرمایا، اس میں حکمت بھرے مضامین ہیں، اور یہ قول فیصل ہے، اور اس کو حفظ کرنے والا اور عمل کرنے والا جنت کے سب سے اونچے مقامات پر فائز ہو گا۔

آیت بالا میں "حکمت" سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں مفسرین صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ وتابعین کے اقوال مختلف ہیں، سب کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، یعنی اس سے مراد سنت نبویہ ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی یہی منقول ہے، مفسر قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے کہ "حکمت" سے مراد

"القضاء بالوحي" یعنی وحی کی روشنی میں فیصلے فرمانا ہے۔

درحقیقت لفظ حکمت اپنے اندر نہایت جامعیت رکھتا ہے جس سے مراد دینی تفقہ اور دینی سمجھ ہے، جس میں میں سنت نبویہ درجہ اول کی حکمت ہے کہ قرآن کریم کے بعد سنت نبویہ اور احادیث مبارکہ سے زیادہ کس میں حکمت ودانائی اور عقلمندی ودانشمندی کی باتیں ہو سکتی ہیں؟۔

پانچواں انعام: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾

(اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے) یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے احکام کا علم عطا فرمایا، علم اولین وآخرین عطا فرمایا، پچھلی امتوں کے مفصل قصے بیان فرما کر آپ ﷺ کے علم میں اضافہ فرمایا، قیامت تک آنے والے حالات کا علم بھی عطا فرمایا، جنت ودوزخ، قبر وحشر، حساب وکتاب کے بارے میں تفاصیل بتائیں، اور اپنے علم غیب سے جتنا چاہا سکھایا، مطلق علمِ غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، لیکن اس میں سے بہت کچھ آنحضرت ﷺ پر واضح فرمایا، جیسا کہ اس آیت کریمہ ودیگر آیات کریمات اور احادیث نبویہ میں واضح فرمادیا گیا ہے۔

چھٹا انعام: ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾

(اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ آپ (یعنی آنحضرت ﷺ) پر اس کا بہت بڑا فضل ہے، اس میں آنحضرت ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات واکرامات عطاء فرمائے گئے ہیں، سب ہی داخل ہیں یہاں پر کچھ انعامات واکرامات درج کئے جاتے ہیں:

مؤمنین کو آپ ﷺ سے مخاطب ہونے کا طریقہ سکھایا، آپ

ﷺ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہیں، آپ ﷺ کو کتاب وحکمت عطا فرمائی گئی، انسانیت کی تربیت کی ذمہ داری کا عظیم شرف عطا فرمایا، آنحضرت ﷺ کو حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا، تمام انبیاء ورسل علیہم السلام میں آپ کا مقام بلند فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر موقوف فرمایا، آنحضرت ﷺ کی عظمتِ شان اور بلندی کہ آپ پر ایمان لانے کا عہد تمام انبیاء سابقین علیہم السلام سے لیا، آپ ﷺ کی برکت سے یہ امت بھی خیرالامم قرار دی گئی، آپ ﷺ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ ﷺ کی طبیعت میں رحمت ورافت اور پیار ومحبت خوب ودیعت کر دی گئی، آپ ﷺ کی دیانت وامانت پر اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے مبعوث فرمانے پر مؤمنین کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر احسان ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت فرض قرار دی، رحمۃ للعالمین ہونے کا اعزاز عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے، کسی کے ایمان کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے فیصلوں پر راضی برضا نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، آنحضرت ﷺ کی ذات عالی کو لوگوں پر حجت بنایا، آپ ﷺ کو بشر بھی بنایا گیا، اور نور بھی قرار دیا گیا، آنحضرت ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کے ذریعہ یہ اعلان کروایا کہ کہہ دو میری عبادتیں، میری زندگی ووفات سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور یہ کہ آخر الامم میں آپ ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے آپ ﷺ کا ذکر مبارک سابقہ آسمانی کتابوں میں نازل کیا گیا، دنیائے انسانیت کو بتایا گیا کہ آپ

ﷺ کا وجود مسعود لوگوں کے لئے عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ تھا، اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں آپ ﷺ کا حصہ مقرر فرمایا، آپ ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ آپ جس دین کی طرف دعوت دینے کے مکلف فرمائے گئے ہیں، یہ دین سارے دینوں پر غالب ہو جائے گا، نیز یہ کہ یہ دین کسی کے مٹانے سے نہ مٹ سکے گا، آنحضرت ﷺ کی رسالت پر اللہ تعالیٰ نے بذات خود شہادت دی، آنحضرت ﷺ کو کتاب عظیم قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کی عظیم ذمہ داری عطا کی گئی، آپ ﷺ کو سفر اسراء ومعراج کرا کے آسمانوں، اور جنت ودوزخ کی سیر کرائی گئی، اور وہاں ملأ اعلیٰ کی قربت سے آپ کو سرفراز کیا گیا، سفر اسراء میں آپ ﷺ کو تمام انبیاء ورسولوں (علیہم السلام) کو امامت کرا کے مقام بلند کا اظہار کرایا گیا، آپ ﷺ کو مقام محمود سے نوازا جائے گا، مقام محمود وہ مقام ہے جس پر اولین وآخرین سب ہی رشک کریں گے، آنحضرت ﷺ کی ذات عالی کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرنے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی، آنحضرت ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ آپ ﷺ کی ذات عالی کا تعلق مؤمنین سے اس سے بھی زیادہ ہے جو ان کا اپنی جانوں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو مؤمنین کی مائیں قرار دیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول انور کے فیصلہ سے انحراف ہونے کو سراسر گمراہی قرار دیا، آنحضرت ﷺ ہی کو وہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آنحضرت ﷺ سے آسمانوں پر ہوا، آپ ﷺ کی ذات عالی پر ہی سلسلہ نبوت کا اختتام ہوا، یعنی آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور قیامت تک اب کوئی

نبی نہیں آئے گا، آنحضرت ﷺ کو دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ چیزوں پر فضیلت بخشی۔

۱ آپ ﷺ کو جوامع الکلم دیئے گئے۔

۲ دشمنوں کے دلوں میں آپ ﷺ کا رعب ڈال دیا گیا۔

۳ آپ ﷺ کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔

۴ ساری زمین کو آپ ﷺ کے لئے جائے سجود اور ذریعہ طہارت بنا دیا گیا، آنحضرت ﷺ کو تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

۵ آنحضرت ﷺ کو شاہد (گواہ) بشیر (خوشخبری دینے والے) نذیر (ڈرانے والے)۔

۶ داعی إلی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے) سراج منیر (روشن کرنے والے چراغ) بنا کر بھیجا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کو نکاح میں وہ خصوصیتیں عطا کی گئیں جو کسی کو عطا نہیں ہوئیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے سلسلہ میں دلداری کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ تنبیہ فرمائی کہ ایسا کام نہ کریں جس سے میرے نبی ﷺ کو اذیت وتکلیف پہنچے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درود وسلام بھیجیں، جنات کی جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے قرآن سن کر ایمان قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے دنیا میں بعض عظیم خوشخبریوں کا اعلان فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اپنی بیعت قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے اہل ایمان کو آداب

سکھائے، آنحضرت ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنے پر اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال اکارت ہو جانے کا اعلان فرمایا، آپ ﷺ کو عام لوگوں کی طرح پکارے جانے سے منع فرمایا، آنحضرت ﷺ کی دعا سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور یہ عظیم معجزہ آپ ﷺ کی رسالت پر بڑی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ایسے لوگ ذلیل ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت فرض فرمائی، اور اطاعت نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی، آنحضرت ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ذات عالی پر طعن کرنے والوں کی تردید فرمائی، اور آپ ﷺ کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والے اجر کا اعلان فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نہایت بلند اخلاق ہیں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لئے مکہ مکرمہ کو حلال فرما کر آنحضرت ﷺ کا اکرام فرمایا، اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ اُس نے آپ ﷺ کو چھوڑا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا، یقیناً آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ کے ذکر مبارک کو بلندی عطا کی گئی، آپ ﷺ کو کوثر عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے خاص اکرام واعزاز فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کو ان کے ناموں سے پکارا، مثلاً: یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا داود، یا موسیٰ ...... فرمایا، مگر آنحضرت ﷺ کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر اس طرح بھی فضیلت بخشی کہ آپ ﷺ کا نام لے کر نہیں پکارا بلکہ آپ ﷺ کو صفت رسالت یا صفت نبوت سے پکارا، یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی وغیرہ، ایمان وہ معتبر قرار پایا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ آنحضرت

ﷺ کی ذات پر بھی ہو، آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور سفارش اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، آپ ﷺ کی ذات عالی صفات کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا، نیز یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ پر طعن کرنے والوں کے لئے اللہ کافی ہے، کفار کی تکذیب سے آنحضرت ﷺ دل برداشتہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی تسلی فرماتے، آنحضرت ﷺ کے ساتھ ملائکہ نے قتال فرمایا، آپ ﷺ پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ کے دین میں طعن کرنا ہے آپ ﷺ کی یہ صفت تھی کہ آپ اپنے پشت کی جانب سے بھی دیکھتے تھے، آنحضرت ﷺ کی شکل وصورت میں شیطان نہیں آسکتا، آپ کی خاتم نبوت (مہر نبوت) آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان عیاں تھی، آپ ﷺ کو علم غیب سے حظ وافر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، چنانچہ قبر وحشر، برزخ وآخرت، جنت ودوزخ، ملائکہ وحساب وکتاب میزان وپل صراط وغیرہ وغیرہ بہت سی مغیبات سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مطلع فرما دیا تھا، آپ ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت کے عظیم مقام سے نوازا جائے گا، آپ ﷺ کے ماننے والوں کی تعداد سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے متبعین کی بہ نسبت زیادہ ہو گی، روز حشر میں سب سے پہلے آپ ﷺ ہی اٹھیں گے، آپ ﷺ ہی سب سے اول جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، سب سے پہلے آپ ﷺ ہی شفاعت کرنے والے ہوں گے، آپ ﷺ ہی سب سے پہلے پل صراط کو عبور فرمائیں گے، آپ ﷺ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، وغیرہ وغیرہ بے شمار آپ ﷺ کے فضائل ہیں جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں منثور وبکھرے موتیوں کی شکل میں ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی قدر ومنزلت پہچاننے کی ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو

توفیق عطا فرمادیں، اور ہر انسان کے قلب میں آنحضرت ﷺ کی عظمت و محبت پیدا فرمادیں، اور آپ ﷺ پر ایمان لانے، اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمادیں آمین۔

❊ فضیلت ❊

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرماتے تھے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾﴾ [النساء: ۱۰۵]

ترجمہ: ”بلا شبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا اور نہ ہو جایئے خیانت کرنے والوں کے طرف دار۔“

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا مقام عالی بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو قرآن حکیم کا مفسر و شارح بتایا، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ پر قرآن کے معانی واضح فرماتے تھے پھر آپ ﷺ اسی کی روشنی میں قرآن کریم کے معانی کی تفسیر فرمایا کرتے تھے۔

منکرین حدیث کی تردید:

حضرت والدِ ماجد مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ اس آیت کی تفسیر میں منکرین حدیث کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاً تو اپنے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اُتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سمجھ کے ذریعہ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا اور قرآن کے معانی اور مفاہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ دورِ حاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے۔ اُس نے قرآن لاکر دے دیا آگے ہم اپنی سمجھ سے سمجھ لیں گے۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی تردید ہو رہی ہے، سورۂ نحل میں فرمایا:

﴿بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾﴾

[النحل: ۴۴]

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے بیان کریں جو اُن کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ فکر کریں۔“

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت

میں شامل تھا۔

فضیلت

آنحضرت ﷺ کی ذات عالی لوگوں پر حجت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورٗا مُّبِينٗا ١٧٤﴾ [النساء: ۱۷۴]

ترجمہ: "اے لوگو بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے، اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور۔"

تفسیر: برہان دلیل کو کہتے ہیں، اس جگہ دلیل اور نور مبین سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ دلیل سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے اور نور مبین سے مراد قرآن مجید ہے، اور بلا شبہ قرآن کریم حجت بھی ہے اور نور مبین بھی اور نبی اکرم ﷺ کی ذات عالی حجت بھی ہے اور نور مبین بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو معجزات کثیرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کی ذات گرامی ساری مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہے، اور آپ ﷺ کے اوصاف اور کمالات اخلاق اور صفات اور آپ ﷺ کی دعوت توحید اور دلائل توحید اس قدر واضح ہیں کہ کسی بھی شخص کے لئے جو اپنی عقل کو ذرا سا بھی استعمال کرے ان سے منحرف ہونے اور کفر اختیار کرنے کا کوئی بھی جواز نہیں ہے، آپ

ﷺ کی ذات گرامی حجت ہے اور نور مبین ہے کہ آپ نے کھول کر ہدایت کے راستے بتائے اور خیر وشر کا امتیاز واضح فرمایا، پھر جس طرح آپ ﷺ کی ذات گرامی لوگوں پر حجت ہے اور نور مبین ہے اسی طرح قرآن کریم بھی عظیم معجزہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں پر حجت ہے جس نے واضح طور پر توحید کے دلائل بیان کئے، اور کافروں اور مشرکوں کی گمراہی بیان کی اور صالحین اور طالحین کا انجام بتایا اور حجت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نور مبین بھی ہے جس نے خالق ومالک کو راضی کرنے کے طریقے سکھائے احکام شرعیہ کو واضح فرمایا اور صلاح وفلاح کے راستے بتائے۔

فضیلت

رسول اللہ ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَٰبٞ مُّبِينٞ ١٥﴾ [المائدۃ: ۱۵]

ترجمہ: "بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح کرنے والی ہے۔"

تفسیر: جب دنیا میں ظلمت ہی ظلمت اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں ایمان کی روشنی پھیلانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور آپ ﷺ کو نور (یعنی روشنی) قرار دیا، چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے تو کفر وشرک کی تاریکی چھٹی اور ظلمت

کافور ہوئی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو ہماری طرف سے تمہارے پاس نور اور کھلی ہوئی کتاب آئی ہے۔

آیت کریمہ میں نور سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے ان دونوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے، نور روشنی کو کہتے ہیں، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا توحید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکا دکا پائے جاتے تھے، خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں خوب محنت فرمائی اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اٹھا، کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

بَلَغَ العُلٰی بِکَمَالِہٖ

حضور اقدس ﷺ اپنے کمالات کی بدولت (جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے) بلندیوں کو پہنچ گئے۔

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

آپ ﷺ کے جمال سے ظلمتیں دور ہو گئیں۔

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ

آپ ﷺ کی تمام خصلتیں بہت اچھی ہیں۔

صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجو!

بہت سے لوگ نور کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی اس جاہلانہ بات کی قرآن کریم کی آیت:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾﴾ [الاسراء: ٩٣]

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہوں مگر بشر رسول ہوں۔“

تردید کر رہی ہے۔ (ماخوذ از انوار البیان)

❖ فضیلت ❖

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دینا

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ [سورۂ مائدہ: ٤١]

ترجمہ: ”اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔“

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنۡ یُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴﴾﴾ [سورۂ فاطر: ۴]

ترجمہ: "اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے۔"

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ [سورۂ یٰس: ۷۶]

ترجمہ: "سو آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ نہ کریں بلا شبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔"

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾﴾ [سورۂ صافات: ۱۷۵-۱۷۴]

ترجمہ: "سو آپ مختصر زمانہ تک ان سے اعراض فرمایئے اور ان کو دیکھتے رہئے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت آیات ہیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے، دشمنان اسلام کی طرف سے جب رسول انور ﷺ کو ایذاء پہنچائی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنی آیات کا نزول ہوتا تھا جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تسلی ہو جاتی تھی۔

٭ فضیلت ٭

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۶۷﴾﴾

[سورۂ مائدہ: ۶۷]

ترجمہ: "اے رسول آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچایا اور لوگوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا بیشک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔"

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ فرما کر حفاظت کی ضمانت دے دی ہے اس پر یہ شبہ وارد نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک کیسے زخمی کیا گیا اور دانت مبارک کیسے شہید کیا گیا اس طرح کی ایذائیں کیسے دی گئیں کیونکہ یہ نزول آیت سے پہلے کے واقعات ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ قرآن کی تمام سورتوں سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چوکیداری (رات کو) کی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ نے ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ آیت نازل فرمائی (اس کے بعد آپ نے لوگوں سے اپنی حفاظت ترک کرادی اور) خیمہ کے اندر سے سر نکال کر فرمایا، لوگو واپس چلے جاؤ اللہ نے میری حفاظ کردی ہے، اسی حدیث میں ہے کہ یہ آیت لیلی فراشی ہے یعنی رات کو جب رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر تھے اس وقت اس کا نزول ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی حفاظت کی خاطر شب کو) بیدار رہتے تھے، جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو فرمایا اگر میرے رفقاء میں سے کوئی شخص آج رات میرا پہرا دیتا تو مناسب تھا اتنے میں ہم نے ہتھیاروں کی کچھ آواز سنی حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے ادھر سے آواز آئی میں سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں، حضور ﷺ کا پہرہ دینے آیا ہوں (اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سو گئے۔

طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ منجملہ حفاظتی گارڈ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے پھر جب آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے چوکی داری چھڑوادی۔ طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حطمی کا بیان نقل کیا ہے کہ رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کا پہرہ دیا کرتے تھے آخر جب آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے چوکی دارہ چھڑوادیا۔

ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے

کہ جب سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہوتے (اور کہیں پڑاؤ ہوتا تو) حضور ﷺ کے لئے ہم سب سے بڑا درخت اور اس کا سایہ چھوڑ دیتے تھے آپ ﷺ اس کے نیچے فرش ہوتے تھے ایک روز آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے اترے اور تلوار درخت میں لٹکادی (اور سو گئے) اچانک ایک آدمی نے آکر تلوار لے لی اور بولا محمد (ﷺ) اب مجھ سے تم کو کون بچائے گا حضور ﷺ نے فرمایا اللہ بچائے گا تلوار رکھ دے اس نے فوراً تلوار رکھ دی اور آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی۔

فضیلت

آنحضرت ﷺ کی تمام عبادتیں اور حیات و وفات سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور آپ ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ [الانعام: ۱۶۲-۱۶۳]

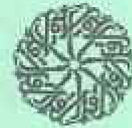
ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری تمام عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور

میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

تفسیر: آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، یہ اولیت اس امت کے اعتبار سے ہے، یعنی امت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہوں، دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرماں بردار تھے۔ (وھذا شأن کل نبي بالنسبة إلی أمته)۔

(روح المعانی ص ۱۷، ج ۸، تفسیر انوار البیان ج ۲/۳۰-۳۱)

سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا مسلمان ہونا علی الاطلاق بھی درست ہے، کیونکہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "کنت نبیاً وآدم منجدل في طینته" یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) اپنی مٹی کے خمیر میں پیدائش کے مرحلہ میں تھے۔ (رواہ أحمد: (۴:۱۲۷) والبخاری فی تاریخہ (التاریخ الکبیر ج ۶/۶۸) والحاکم فی المستدرک (ج ۲/۴۱۸) واقرہ الذہبی، وابن حبان (ج ۸/۱۰۶) وصححہ ورواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر ج ۱۸/۲۵۲) وابن سعد (الطبقات الکبری ج ۱/۱۴۸) والبیہقی (دلائل النبوۃ ج ۱/۸۰) (مأخوذ من کتاب عظیم قدرہ صلی اللہ علیہ وسلم)



فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سابقہ آسمانی کتابوں میں کہ وہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾﴾ [الأعراف: ۱۵۷]

ترجمہ: "جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، کہ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال، اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے

ہیں، اور اُن لوگوں پر سے بوجھ اُتارتے ہیں جو اُن پر لدے ہوئے تھے، اور وہ بندشیں کھولتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا جو لوگ اُن پر ایمان لائیں اور ان کی حمایت و نصرت کریں اور ان کے نور کا اتباع کریں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

تفسیر: آیت بالا میں الرسول اور النبی سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کو الامی سے ملقب فرمایا، عرب کے محاورہ میں اُمی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وقدرت سے آپ ﷺ کو وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے، مخلوق میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ ﷺ نے کائنات کی ابتدا سے لے کر جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتادیں، اور اہل دوزخ کے احوال بتادیئے، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات بیان فرمائے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے، ایسے اُمی پر کروڑوں اہل علم قربان ہوں....

حضرت عطاء بن یسار تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتایئے، انھوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ ﷺ کی صفات بیان کی گئیں ہیں اُن میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں، یعنی یہ کہ: اے نبی ہم

نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور امیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا، جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے، اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں، اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لیکن معاف کرتا ہے، اور بخش دیتا ہے، اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھا نہ کردے، اس طرح سے کہ وہ لوگ لاالٰہ اِلا اللہ کہیں گے، اور اس کے ذریعہ سے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا، اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح میں (ص ۵۱۲) میں نقل کیا ہے، سنن دارمی (ص ۱۴ ج ۱) میں بھی یہ مضمون ہے۔ (انوار البیان)

کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان:

کعب احبار پہلے یہودی تھے، پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں انھوں نے اسلام قبول کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ:

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، میرے برگزیدہ بندہ ہیں، نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں، وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، لیکن معاف کرتے ہیں، اور بخش دیتے ہیں، ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملک شام اولیں وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب

کی حکومت ہوگی) اور ان کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے، یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے، خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی، وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے، اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے، یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے (یعنی جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے) آدھی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے، وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے، اُن کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا، اور ان کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی، دونوں صفیں (اخلاص وعزیمت میں) برابر ہوں گی، رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ (مصابیح میں یہ روایت (ص ۱۷۰) پر اور سنن دارمی میں (ص ۱۵ ج ۱) پر موجود ہے، اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبد اللہ بن سلام سے نقل کیا ہے کہ توریت میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی صفت بیان کی ہے۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیش گوئی: بہت سی تحریفات وتغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں، باب ۱۶ میں ہے لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر میں جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔

(پھر چند سطر کے بعد ہے) لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

❖ فضیلت ❖

حضرت محمد ﷺ کی بعثت قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنات کے لئے عام ہے، اور آپ ﷺ نبی امی ہیں، اور آپ ﷺ کی اتباع عین ہدایت ہے

قرآن کریم میں اس کا اعلان فرمایا:

﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾﴾

[الأعراف: ۱۵۸]

ترجمہ: "آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اے لوگو بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔"

تفسیر: اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ﷺ تمام انسانوں کو خطاب

کر کے فرمادیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، ان میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے، تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو، اس کے ملک اور اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، لہٰذا اس پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول کی تصدیق کرو، یہ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کا نبی ہے، جو اُمّی ہے، یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کے کلمات پر یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا تم اس کا اتباع کرو تاکہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے، سورۂ سبا میں فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٢٨ ﴾ [سبأ: ٢٨]

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔“

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت عام ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی

گئیں: ① رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ② ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں ③ پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی فرمادی گئی، (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے) پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدث اصغر اور حدث اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، نماز پڑھ لے، ④ میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے، اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے، ⑤ اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی)، ⑥ اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃ الناس (یعنی) تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری فی صحیحہ ص ۴۸)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

”والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار.“ (رواہ مسلم في كتاب الإيمان)

ترجمہ: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہوا خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اس کو اس نے نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔“

چونکہ آپ ﷺ کی بعثت عامہ ہے، اس لئے ہر فرد بشر کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کا دامن پکڑے بغیر

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کرسکتا، خواہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرتا ہو۔

دلائل مذکورہ کی وجہ سے تمام امت کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور خاتمیت رسالت پر اجماع ہے، اور اس کا منکر کافر ہے، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کسی خاص قوم یا ملک کے لئے نہیں آئے، بلکہ تمام بنی نوع جن و بشر کے لئے آئے، اور آنحضرت ﷺ کی دعوت یکساں طور پر سب کے لئے ہے، یہ دعوت سب کے سروں کو ایک خدا کے سامنے جھکانا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب راستے بند ہیں، سوائے رسول اللہ ﷺ کے راستہ کے۔ (انوار القرآن ج ۳)

❖ فضیلت ❖

رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کا نزول

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝﴾

[سورۃ انفال: ۹]

ترجمہ: "جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس

نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے۔"

تفسیر: صاحب روح المعانی (ج ۹ ص ۱۷۲) بحوالہ مسلم وابوداود وترمذی حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۵۶۴ میں ذکر ہے) مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دعا کرتے رہے دعا کے الفاظ یہ ہیں:

"اللّٰهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ."

ترجمہ: "اے اللہ آپ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے پورا فرمائیں اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی۔"

مطلب یہ تھا کہ اہل ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

آپ ﷺ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہ الٰہی میں عرض کر دی جس سے آنحضرت ﷺ کا رب العالمین سے خاص محبت کا تعلق واضح ہو رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہ لاشریک لہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا)۔ آپ ﷺ

قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر بھی آپ کے کاندھوں سے گر گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لیکر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی، پھر آپ سے چپٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے بہت زور دار دعا کی ہے یہ کافی ہو گئی بے شک آپکا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اس پر آیت فاستجاب لکم نازل ہوئی یعنی اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی، اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کرنے کا وعدہ فرمایا۔ (تفسیر انوار البیان)

آنحضرت ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور اس کے ثمرات ظاہر ہوئے فرشتوں کا نزول ہوا اور فرشتوں نے قتال میں حصہ لیا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾﴾ [سورۃ انفال: ۱۲]

ترجمہ: "جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ، عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔"

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بدر کے

دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے البتہ حضرت جبریل علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔

فضیلت

آنحضرت ﷺ کا وجودِ مبارک لوگوں کے لئے عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ تھا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾﴾

[الانفال: ۳۳]

ترجمہ: "اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔"

تفسیر: آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا، جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب

آیا جب کہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے، خاتم الأنبیاء جو رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہو سکتا، مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لئے دو چیزیں امان کی تھیں، ایک نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار، جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی یعنی استغفار۔ (تفسیر طبری)

لہٰذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا، صرف بدر کے دن ستر سرغنے مارے گئے، اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے جو بہت زیادہ شریر تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا، اور آئندہ کے لئے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

٭ فضیلت ٭

اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں سے اپنے حبیب ﷺ کا حصہ مقرر فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

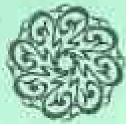
﴿وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَٰمَىٰ وَالْمَسَٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ ءَامَنتُم بِاللَّهِ وَمَآ أَنزَلْنَا

عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤١﴾﴾ [سورۃ الانفال: ۴۱]

ترجمہ: "اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔"

تفسیر: مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرکاً ہے، مال غنیمت کا پانچواں حصہ کے مصرف آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تھی اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں، اور مسافر ہیں، رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کا حصہ ساقط ہو گیا، اب رہے آپ ﷺ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار تو ان کا مصرف بھی صرف آپ ﷺ ہی کی موجودگی تک تھا۔

مالِ غنیمت سابقہ امتوں میں حلال نہ تھا یہ آنحضرت ﷺ کی اس امت کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال فرمایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ہم سے پہلے کسی امت پر اموال غنیمت حلال نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف و کمزوری کو دیکھا تو ہمارے لئے اموال غنیمت حلال فرما دیئے۔ (الحدیث رواہ مسلم)



فضیلت

دین محمد ﷺ تمام دینوں پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی روشنی بجھائی نہیں جا سکتی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [التوبة: ٣٢-٣٣]

ترجمہ: "وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں حالانکہ اللہ کو اپنا نور پورا کرنے کے علاوہ اور کوئی بات منظور نہیں، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو، اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔"

سورۂ فتح میں ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٨﴾﴾ [الفتح: ٢٨]

ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اور اللہ کا گواہی دینا کافی ہے۔"

سورۂ صف میں ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٩﴾﴾ [الصف: ٨-٩]

ترجمہ: "وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں حالانکہ اللہ کو اپنا نور پورا کرنے کے علاوہ اور کوئی بات منظور نہیں، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو، اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔"

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ودین حق کے ساتھ بھیجا ہے، جو دین حق غالب آکر رہے گا، اور یہ دین کسی کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتا، اور یہ دین اسلام کی روشنی کسی کے بجھانے سے ہرگز نہ بجھے گی، ان تینوں آیتوں میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھادینا چاہتے ہیں، یعنی اسلام پر اعتراض کرکے اور مہمل باتیں کرکے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں، اور خود بھی دور رہتے ہیں، ان کی باتوں سے

اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور ان کی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے، اللہ جل شانہ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے، کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا، اگر چہ کافروں کو ناگوار ہو اور برا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو، سورۂ توبہ کی آیت کے اخیر میں (ولو کرہ الکافرون) فرمایا، اور سورۂ صف کی آیت کے ختم پر (ولو کرہ المشرکون) فرمایا جو لوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں، اور جو لوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں، مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے، یا اس کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں، یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں، ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرمادیا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو، ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا، یہ جلتے رہیں، حسد کرتے رہیں، ان کی نیتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی، اور دین اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

دین اسلام کے غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، کوئی بھی شخص خواہ آسمانی دین کا مدعی ہو (جیسے یہودی ونصرانی)، خواہ بت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد ہو، اور زندیق ہو، وہ اپنے دعوی اور اپنے

دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آسکتا، اور اپنے دعوی کو صحیح ثابت نہیں کرسکتا، اسلام کے دلائل سے یہود ونصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے، اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامل بھی فرمادیا، اور قرآن مجید میں اعلان فرما دیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [سورۂ مائدہ: ۳]

ترجمہ: ”آج میں نے تمہارا دین کامل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔“

اسلام دین کامل ہے، انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، دیگر تمام ادیان ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لئے بیٹھے ہیں، عبادات، معاملات، مناکحات، معیشت، اور معاشرت، سیاست، اور حکومت، اخلاق، اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے، خود سے قوانین بنالیتے ہیں، اور پھر انھیں توڑدیتے ہیں (بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ قانون اللہ کی طرف سے ہے) بھلا خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ اسلام نے انسانوں کو ہر شعبۂ زندگی کے احکام دیئے ہیں، اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے، جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت: اسلام کے غالب ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر وشرک چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں، اور دنیا میں

اسلام ہی اسلام ہو، اور اسی کا رواج ہو، ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہو گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا، اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی، جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہو گا کہ لات اور عزیٰ کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُشْرِكُونَ ﴿٩﴾﴾ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا، یعنی یہ دین حق تمام دینوں پر غالب ہو گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ایسا ہو گا، (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا کو بھیجے گا، جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آجائے گی، جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہو گا، اس کے بعد صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے، جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہو گی، لہٰذا وہ اپنے باپ داداؤں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا "ویبطل الملل حتی یهلك الله في زمانه الملل كلها غير الإسلام" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کر دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرما دیں گے۔ (مسند احمد)

تیسری صورت: اسلام کے غالب ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جائیں گے، اور یہ ہو چکا ہے، جب مسلمان جہاد کرتے تھے، اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں تھیں، قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا، ان میں سے جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام اور باندی بنائے گئے، اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا، اور مسلمانوں کے ماتحت رہے، صدیوں یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا (اور اس وقت کے یہی تین براعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصہ پر قائم ہیں، اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں، کافروں سے بغض رکھیں، کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں، تو اب بھی وہی شان واپس آسکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار و غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے، اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہو گا، ان شاء اللہ، حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا، جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرما دیں، عزت والے کی عزت کے ساتھ، اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو گا۔ (مشکوۃ المصابیح ۱۶ از مسند احمد)

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا، انہیں کلمۂ اسلام کو قبول کرنے والا فرما دے گا، اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا، وہ مقتول ہو گا یا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔ (تفسیر انوار البیان)

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد عالی ہے:

﴿إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾﴾

[التوبہ: ۳۹-۴۰]

ترجمہ: "اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جب کہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب کہ وہ آدمیوں سے ایک تھے۔ جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلا شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے آپ ﷺ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ ﷺ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جو کفر اختیار کئے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اونچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔"

تفسیر: اللہ جل شانہ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ ﷺ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ لٹا دیا اور آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی وہ لوگ آپ ﷺ کو تلاش کرنے چل دئے اور غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (غمگین نہ ہو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورۃ کے لئے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازے پر جالا پور دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۴۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہوں بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔



فضیلت

رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾﴾ [التوبہ: ۱۲۸-۱۲۹]

ترجمہ: ”بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے، تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے، مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے، سو اگر لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔“

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورۂ توبہ ختم ہو رہی ہے، پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی بعض صفات بیان فرمائیں:

اول تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رَسُولٌ کی تنوین دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تمہیں میں سے ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے، تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اولین ہیں، ان کا ہم زبان ہے وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں، اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تمہیں میں سے ہے، اس کے نسب کو اس کی ذات کو اور اس کی صفات کو تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔

مفسر ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی (۲/۴۰۳) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا "إن الله بعث فينا رسولاً منا نعرفه نسبه وصفته ومدخله ومخرجه وصدقه وأمانته." آپ ﷺ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد انہیں میں رہے، آپ ﷺ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے آپ ﷺ سے استفادہ کرنے اور آپ ﷺ کی باتیں سننے کا خوب موقع تھا، اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا، یا ان کی ہم زبان نہ ہوتا، یا اپنے رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہیں میں سے رسول بھیج دیا: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جب کہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ

ﷺ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ کہ امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ پر شاق گزرتی ہے، اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، اور آپ ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، آپ ﷺ کو یہ بھی حرص ہے کہ جملہ مخاطبین ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ ﷺ کو مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے، آپ ﷺ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق ہے، ظاہراً بھی آپ ﷺ اُن کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، اُمت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے تھے، اور ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ ﷺ کو کڑھن ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ رکھیئے) ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے اُدھر روانہ ہو چکے تھے، یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ ﷺ آ رہے تھے، آپ نے فرمایا: "لم تراعوا" ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری: ۱/۴۱۷)

حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ میں سے کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے، مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے، تکلیفوں سے بچانے

کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے، جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہیئے لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں... چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے، کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ہاتھ رات کو کہاں رہا، اس کی توضیح یہ ہے کہ: ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو۔ (رواہ مسلم)

(جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے، ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی حفاظت رہتی ہے) نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلو جب تک دوسرے چپل کو درست نہ کرلو (پھر دونوں کو پہن کر چلو) اور یہ بھی فرمایا: کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلو، (کیونکہ ان صورتوں میں ایک

قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا) آپ ﷺ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں، میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو، نہ پشت کرو، اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو، اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے، تو جگہ کو دیکھ لے، (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں نہ اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ)۔ (مشکوٰۃ شریف)

نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں، اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اپنے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں، لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں، اور زبردستی گرتے ہیں، یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں، اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔
(رواہ البخاری و مسلم)

(جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائیں ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے)۔

پھر فرمایا کہ اگر لوگ رو گردانی کریں اور حق کو قبول نہ کریں محبت، شفقت اور رافت ورحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ ﷺ ان کی طرف سے ایذا پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں، آپ ﷺ یوں اعلان کریں "حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ" (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) "عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے توکل علی اللہ نبیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام سات مرتبہ "حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکر مندیوں کی کفایت فرمائے گا۔ (رواہ ابوداود موقوفا وابن عساکر مرفوعا)

فضیلت

آنحضرت ﷺ کی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا، اور اس پر گواہی دی، ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی

الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾﴾ [الصف: ۹]

ترجمہ: "وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، گو مشرک کیسے ناخوش ہوں۔"

اور قرآن پاک میں اس رسالت پر اپنی گواہی بھی اپنی زبانی بیان فرمائی چنانچہ سورۂ رعد میں ارشاد جل مجدہ ہے:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾﴾ [سورۃ الرعد: ۴۳]

ترجمہ: "اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں، آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لئے اللہ کافی ہے، اور وہ لوگ بھی گواہی کے لئے کافی ہیں جن کے پاس کتاب ہے۔"

﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ "جن کے پاس کتاب ہے۔" سے کون مراد ہیں، اس میں کئی اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی تمیم داری اور نجاشی اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔ (دیکھئے تفسیر قرطبی، آلوسی، ابن کثیر وغیرہ)

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدنیہ ہے تو اس سے

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ جب کہ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں ایمان لائے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں دو احتمال ہے اول یہ کہ ہو سکتا ہے یہ آیت مدنیہ ہو، دوسرا یہ کہ اگر آیت مکیہ بھی ہو تو آیت کریمہ کے معنی اس کے منافی نہیں کہ اس میں مستقبل خبر دی گئی ہو۔ (تفسیر آلوسی)

نیز سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک خاص واقعہ حضرت طالوت، حضرت داؤد علیہ السلام اور قتل جالوت و قوم عمالقہ کا واقعہ بیان فرمایا، اور واقعہ ذرا تفصیلی ہے، کسی شبہ کرنے والے کو شبہ ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو امی ہیں انھوں نے یہ تفصیلات کس طرح بیان کیں؟ اللہ تعالیٰ نے قبل اس کے کوئی شبہ کرے اس کی جڑ ہی ختم فرمادی، اور اعلان فرمادیا کہ اے نبی یہ قصے اور واقعات ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں ٹھیک ٹھیک، اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

﴿تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِٱلْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾﴾

ترجمہ: "یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں، اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔"

اور سورۂ یٰسین شریف میں فرمایا:

﴿يسٓ ﴿١﴾ وَٱلْقُرْءَانِ ٱلْحَكِيمِ ﴿٢﴾ إِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٣﴾﴾

ترجمہ: "قسم ہے قرآن حکیم کی، بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکرین کی تردید فرمادی اور صاف صاف فرمادیا کہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں۔

اور سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ﴾ [المنافقون: ۱]

ترجمہ: "اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

تفسیر: ان سب آیات کریمات میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ: اے کافرو: تم اگر نہ مانو تو تمہارے انکار سے ہمارے نبی کی نبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، ہم نے انھیں نبی بنا کر بھیجا ہے تو ہم ہی ان کی نبوت پر گواہ ہیں، اور اصل گواہی بھی ہماری ہی ہے لہٰذا مجھے تمہارے انکار کی کوئی پرواہ نہیں، نیز اہل کتاب کے علماء کی گواہی بھی ہمارے رسول کے لئے کافی ہے، جو اپنی کتابوں میں ان کی نبوت کی پیش گوئی پڑھتے آئے ہیں، اور ان کے جذبہ انصاف نے انھیں مؤمن فرمادیا، انھوں نے ہمارے نبی کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے، اہل علم کی گواہی کے بعد جاہلوں کا انکار بے حیثیت ہے۔



فضیلت

رحمۃ للعالمین ﷺ کا بہت بڑا اعزاز کہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾﴾ [الحجر: ۷۲]

ترجمہ: "آپ کی جان کی قسم بے شک وہ اپنی مستی میں اندھے بنے رہے تھے۔"

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے صاحب روح المعانی نے امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی جان سے بڑھ کر کوئی معزز و مکرم جان پیدا نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات کے علاوہ کسی کی بھی حیات کی قسم نہیں کھائی۔ (روح المعانی)

فضیلت

آنحضرت ﷺ قرآن مجید کے مفسر و شارح ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سیدنا حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اس کی توضیح وتشریح اور اس کے علم و معانی بیان کرنے کا شرف بھی آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا، قرآن حکیم کی تفسیر توضیح وتشریح بھی آپ ﷺ کے فرائض منصبی

میں سے ہے کہ آپ ﷺ نے امت کے لئے قرآن کے معانی و مطالب بھی بیان فرمائے اور آپ ﷺ نے بلاشبہ اس کا بھی پورا حق ادا فرمادیا، ذیل کی آیت کریمہ میں اسی فرض منصبی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾﴾

[النحل: ۴۳-۴۴]

ترجمہ: "اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، سو تم اہل علم سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے، ان رسولوں کو دلائل اور کتب کے ساتھ، اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور شاید وہ غور و فکر کریں۔"

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا تھا وہ انسان ہی تھے، مشرکین مکہ کو یہ بات مستبعد معلوم ہوئی کہ ان کے پاس جو رسول آیا وہ انسان ہے، حالانکہ رسول اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں، بلکہ انسانوں کی طرف انسان ہی کا مبعوث ہونا حکمت اور مصلحت کے عین مطابق ہے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں، مشرکین مکہ تجارت کے لئے سال میں دو مرتبہ شام جایا کرتے

تھے، اور مدینہ منورہ میں یہودیوں پر ان کا گزر ہوتا تھا اور راستے میں نصرانیوں کے راہبوں سے ملاقات ہوتی تھی جو جنگلوں میں رہتے تھے اور شام میں نصرانیوں کی حکومت تھی وہاں نصرانی بہت تھے، ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، مشرکین مکہ جانتے تھے کہ یہودی اور نصرانی دین سماوی کے مدعی ہیں، اسی لئے انھوں نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے معلوم کیا تھا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں یا محمد ﷺ (جس کا ذکر سورۂ نساء میں گزر چکا ہے)، اہل مکہ انہیں صاحب علم سمجھتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ سے معلوم کرلو سابقین انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے یا فرشتے تھے اور کس جنس سے تھے، ان سے پوچھو گے تو یہی بتائیں گے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو نبی اور رسول آتے تھے وہ سب بشر تھے، اور آدمی ہی تھے۔

آیت کریمہ میں بتادیا گیا کہ آپ ﷺ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب بندوں تک پہنچادیں بلکہ اس کا بیان کرنا اور اس کی تعلیمات کو واضح کرنا بھی آپ ﷺ سے متعلق تھا۔

اس میں اُن ملحدوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکئے کی سی ہے، انھوں نے قرآن لاکر دیدیا، اب ہم خود سمجھ لیں گے، یہ ملحد خود تو زندیق بن چکے ہیں، اب چاہتے ہیں کہ اُمت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں، جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لئے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کئے گئے ہیں، اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لئے جو شخص قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ

احادیث شریفہ میں وارد شدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے، حدیث شریف کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھولو اور سر کا مسح کرلو، جس کو عوام وخواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کہ کتنی مرتبہ دھوئے قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی، نماز میں نظر کہاں رہے، ہاتھ کہاں رہیں، ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں، کتنے سجدے ہیں قرآن مجید میں یہ نہیں بتایا، قرآن مجید میں حج وعمرہ پورا کرنے کا حکم ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں، حج کس تاریخ میں ہوتا ہے، طواف میں کتنے چکر ہیں، کہاں سے طواف شروع ہوتا ہے، کہاں ختم ہوتا ہے، صفا مروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے، احرام کس طرح باندھا جاتا ہے، عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے، اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے، وغیرہ وغیرہ چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے، کیا ایک چنا اور ایک لاکھ روپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے، پھر اگر دوسری بار چوری کرلے تو کیا کیا جائے؟ قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے، اس میں تفصیل ہے متفرق کر

کے مارے جائیں یا متواتر، ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے، مذکورہ بالا چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں، آپ ﷺ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہو گا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور بے شمار احکام ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں، بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہو سکتا، اور یہ بیان اور تشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے۔ (ماخوذ از انوار البیان)

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اسراء و معراج سے شرف یاب فرمایا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۭ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①﴾

[الاسراء: ۱]

ترجمہ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا، جس کے اردگرد ہم

نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔“

تفسیر: سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے، سورۃ النجم اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی، پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم شریف اور روح مبارک دونوں کے ساتھ تھا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا، اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا، میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے، میں نے دودھ کو لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس اور پانچویں آسمان

میں حضرت ہارون اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، اور سب نے مرحبا کہا، اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں، اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کرسکے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ (صحیح مسلم ۱/۹۷)

آنحضرت ﷺ کا انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمانا

صحیح مسلم میں براویت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کی امامت کی، جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد ﷺ! یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے، میں اس کی طرف متوجہ ہوا، تو اس نے از خود سلام کیا۔ (صحیح مسلم: ۱/۹۱)

(یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا آسمانوں پر تشریف لے جانے سے

پہلے کا واقعہ ہے)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں (۶/۳) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے، اس میں اس طرح ہے: بہت سے لوگ جمع ہوئے، پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دی، اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے، انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھادیا، اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھادی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد (ﷺ) آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا، نہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ (اس کے بعد روایت میں آپ ﷺ کے آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے)۔

سفر معراج کی باتیں بہت مفصل ہیں ہم ان میں سے اختصار کرکے چند پہلو ذکر کرتے ہیں جس کو تفصیل مطلوب ہو وہ تفسیر انوار البیان کا مطالعہ کرلے:

۱ آسمانوں میں آنحضرت ﷺ کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں۔

۲ آنحضرت ﷺ کا البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا۔

۳ پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے سے دربار الٰہی میں بار بار تخفیف کی درخواست کرنا، اور صرف پانچ نمازیں باقی رہ جانا، اور اُن پر پچاس ہی کا ثواب ملنا۔

۴ نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام: نمازوں کے علاوہ مزید ایک انعام یہ کہ

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں آمن الرسول سے آخر تک اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے عنایت فرمائیں، اور دوسرا انعام یہ کہ ایک قانون کا بھی اعلان فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں۔ (مسلم ۱/۹۷)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بالکل ہی معاف فرمادیں گے، اور جس کو کبیرہ گناہوں پر عذاب دینا چاہیں گے تو وہ عذاب بھگت کر چھٹکارا پاجائے گا، البتہ کفار و مشرکین ہمیشہ دوزخ میں ہی رہیں گے۔

⑤ معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدار الٰہی حاصل ہونا:

معراج میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا، اس پر تمام اہل حق علماء کا اجماع ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج میں یہ دیدار رؤیت بصری تھی یا رؤیت قلبی سے، یعنی سر کی آنکھوں سے دیدار ہوا یا دل کی آنکھوں سے، جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مذہب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے پروردگار کا دیدار سر کی آنکھوں سے نصیب ہوا، اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔ سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات:

(أ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے سیر کرائی گئی تو میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم شریف ۲/۳۶۸)

(ب) ایسے لوگوں پر سے گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، یہ اس امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں

کرتے، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے، اس بارے میں حدیث مشکوٰۃ المصابیح (ص ۴۳۸) پر ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے، جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں، (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ: ص ۴۲۹، از ابوداؤد)

(د) سود خوروں کی بدحالی کا دیکھنا:

آنحضرت ﷺ ایسے لوگوں پر سے بھی گزرے کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں، ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے، آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۴۲۶)

(ر) ایسے لوگوں کے اوپر سے گزرنا جن کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں:

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں، میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے زینت اختیار کرتے تھے، پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت آوازیں آرہی تھیں، میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں جو زنا کاری کے لئے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی

ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں۔

منکرین وملحدین کے جاہلانہ اشکالات کا جواب

روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بیداری میں روح و جسم کے ساتھ معراج کرائی، اہل السنۃ و الجماعت کا یہی مذہب ہے، ایک ہی رات میں آپ ﷺ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی، پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا، ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں، عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ ﷺ تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا، پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے، لیکن جب آپ ﷺ نے بیت المقدس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہو گیا، تو قریشیوں کا منہ بند ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دورِ حاضر کے ملحدین واقعہ معراج کو ماننے میں تامل کر رہے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں، اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ

اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کرلی، اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ فرمایا ہے، اس میں بعبدہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے، نیز لفظ اسری جو سری یسری سے (معتل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے، یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے، خواب میں کوئی کہیں چلا جائے، اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا، لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ "أعاذنا اللہ من شرھم."

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے، اور فلاں کرہ سے گزرنا لازم ہے، اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا، اور فلاں کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، اول تو ان کی باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے، اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اسی نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتداء ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی، اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے؟ بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود ہی کے منکر ہیں، ان کے انکار کی

بنیاد صرف عدم العلم ہے ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ [الزخرف: ۲۰] "وہ محض اٹکل سے باتیں کرتیں ہیں۔" کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو، محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ ﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ [المنافقون: ۴] "اللہ انھیں غارت کرے کدھر الٹے جارہے ہیں۔"

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، لیکن اصحاب فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں، اور اب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے، یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۂ ملک میں فرمایا ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۴﴾﴾ [الملک: ۱۴] (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خبیر ہے)۔

فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا، یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا، یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے اور نہ جاکر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کرلیا، جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے، اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بتائے، چنانچہ سورۂ اعراف میں فرمایا ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ﴾ [الاعراف: ۴۰] اور سورۂ نبا میں فرمایا ﴿وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿۱۹﴾﴾ [النبا: ۱۹] اور آسمان پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت میں ظہور ہو گا ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾﴾ [الانشقاق: ۱] اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾﴾ [الانفطار: ۱] اور ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ

﴿۱۶﴾﴾ [الحاقۃ: ۱۶] میں تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنھوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہو سکتا ہے، کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی، کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں، اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ان کا وجود نہ تھا، اب تو جدہ سے ڈیڑھ گھنٹہ میں ہوائی جہاز دمشق پہنچ جاتا ہے، جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے، اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہو سکتے ہیں اور رات کے باقی آٹھ گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں کے مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے تسلیم کر لئے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہو گیا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انھیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرما دے، اور نئی سواریاں پیدا فرمادے، جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۂ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النحل: ۸] (اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا فرماتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے) فرمایا ہے، اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں، اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں، یا اس کے وقوع میں متردد ہیں، خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے

میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے، چوبیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کرہ سے کروڑوں میل دور ہے، کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے، پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج ﷺ جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا، لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی، اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے، اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے، اور باقی پوری رات عالم کی سیر کے لئے بچ گئی، مؤمن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے۔ والمرتابون هم الهالكون.

فضیلت

آنحضرت ﷺ ہی کو مقامِ محمود عطا کیا جائے گا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ

يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ [الاسراء: ۷۹]

ترجمہ: "اور رات کے حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے کہ یہ آپ کے لئے اضافہ ہے، آپ کا رب آپ کو عنقریب مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔"

تفسیر: اس میں آپ ﷺ کے لئے تسلی ہے، کہ چند روزہ دنیا میں وہ بھی چند دن آپ کے دشمن جو آپ کو تکلیف دے رہے ہیں، یہ اس بلند مرتبہ کے سامنے بے حقیقت ہے جو مرتبہ آپ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا، یعنی مقام محمود پر پہنچایا جائے گا، اس مقام پر تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب لوگ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہو گی، وہ عرض کریں گے، کہ ہماری سفارش کیجئے، حتیٰ کہ ہمارے نبی تک شفاعت کی نوبت پہنچ جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۶)

جب کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سفارش کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے تو نبی اکرم ﷺ ساری مخلوق کے لئے سفارش فرمائیں گے، یہ وہ مقام محمود ہے جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دیں گے۔

اس حدیث شریف میں بہت اجمال ہے، دوسری روایات میں تفصیل کے ساتھ شفاعت کا مضمون وارد ہوا ہے، اور وہ یہ کہ قیامت کے دن جب لوگ بہت ہی زیادہ تکلیف میں ہوں گے، اور سورج قریب ہو جائے گا، اس بے چینی کے عالم میں کہیں گے کہ کسی سے سفارش کے لئے عرض کرو، پہلے آدم علیہ السلام کے پاس پھر نوح علیہ السلام کے پاس پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس

پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کریں گے، یہ سب حضرات انکار کردیں گے، تو سید الاوّلین و الآخرین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور شفاعت کی درخواست کریں گے، آپ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ایسی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا، جو اس سے پہلے کسی کے قلب میں نہیں ڈالی گئیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اے محمد ﷺ سر اٹھائیے اور سوال کیجیے، سوال پورا کیا جائے گا، اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُودًا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے شفاعت مراد ہے۔ (رواہ الترمذي في التفسير وفي حاشية قوله تعالىٰ ﴿مَقَامًا مَّحۡمُودًا﴾ الذي يحمده فيه جميع الخلق لتعجيل الحساب والاراحة من طول الوقوف. اهـ)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا، لیکن امت محمدیہ ﷺ کو بھی مقام محمود کی دعا کرنے کا شرف عطا کیا ہے، جو اذان کا جواب دینے کے بعد کی جاتی ہے۔

دنیا میں رسول اللہ ﷺ کا مقام محمود کے عام مفہوم میں رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر مدح وستائش بھی داخل ہے، جیسا کہ کوثر کے مفہوم عام میں حوض کوثر داخل ہے، گویا وحی الٰہی نے ایسے مقام تک پہنچانے کی اطلاع دی ہے، جو انسان کے لئے عظمت وبرتری کا سب سے بلند مقام ہے، حسن وکمال کا ایسا مقام ہے جہاں آپ ﷺ کو خلائق کی عالمگیر محمودیت اور دائمی

مرکزیت حاصل ہو جائے گی، دنیا وآخرت میں آپ ﷺ کو ایسے مرتبے پر پہنچا دے گی جہاں آپ ﷺ محمودِ خلائق بنکر رہیں گے، ہر طرف سے آپ ﷺ پر مدح وستائش کی بارش ہو گی، اور آپ ﷺ کی ہستی ایک قابل تعریف ہستی بن کر رہے گی، آج آپ ﷺ کے دشمن اور دشمنانِ اسلام آپ ﷺ کی ذاتِ عالی پر بیہودہ الزامات عائد کررہے ہیں اور آپ ﷺ کی ہستی باعظمت کو اپنے باطل افکار ونظریات سے داغدار کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں، حالانکہ ساری دنیا کے انصاف پسند انسانوں نے ہر زمانہ میں اور دنیا کے کونہ کونہ میں آپ ﷺ کی مدح وستائش کے گن گائے ہیں، آپ ﷺ کی ذاتِ عالی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے، اور یہ سلسلہ تا روزِ قیامت جاری وساری رہے گا، یہاں تک کہ وہ وقتِ موعود آئے گا جب قیامت قائم ہو گی اور آپ ﷺ ساری مخلوق کے ممدوح ہوں گے، اور گویا یہی مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے، اس سے زیادہ اونچی جگہ اولادِ آدم کو نہیں مل سکتی، اور اس سے بڑھ کر انسانی رفعت وبلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، انسان کی سعی وہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جاسکتی ہے، لیکن یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے، یہ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے، جس میں حسن کمال ہو۔ (تفسیر انوار القرآن)

یا رب صل وسلم دائماً أبداً علی حبیبك خیر الخلق کلهم



فضیلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو خوبی کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کروا کر خوبی کی جگہ یعنی مدینہ منورہ میں پہنچایا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴿٨٠﴾ ﴾

[الاسراء: ۸۰]

ترجمہ: "اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب آپ مجھے ایسی جگہ میں داخل کیجیے جو خوبی کی جگہ ہو، اور مجھے خوبی کے ساتھ نکالیے، اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرمایئے جس کے ساتھ مدد ہو۔"

تفسیر: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے کہ آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت (اس موقع پر) نازل فرمائی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کفارِ مکہ نے حضور اقدس ﷺ کے بارے میں مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کو قتل کردیں یا جلاوطن کردیں یا نظر بند کردیں۔

اور اللہ پاک نے اہل مکہ سے قتال کا ارادہ فرمایا تو اپنے پیغمبر ﷺ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا یعنی اسی مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ۔

اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ سے مدینہ منورہ مراد ہے اور ﴿مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ سے مکہ مکرمہ مراد ہے، اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے، اور اس بارے میں تمام اقوال میں سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے۔

فضیلت

نبی اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کامیابی کے ساتھ ہجرت فرما کے تشریف لانا اور مشرکین کا ناکام ہونا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾﴾ [سورۂ بنی اسرائیل: ۷۶-۷۷]

ترجمہ: "اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور ایسا ہوجاتا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت کم ٹھہرنے پاتے۔ جیسا کہ ان لوگوں

کے بارے میں ہمارا طریقہ رہا ہے جن کو آپ ﷺ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے۔"

تفسیر: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے جلاوطن کرنے اور وہاں سے زبردستی نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور آپ باذن الٰہی خود ہی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے مشرکین اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ اس سرزمین سے آپ ﷺ کے قدموں کو اکھاڑ دیتے (لیکن وہ ایسا نہ کر سکے) اور اگر وہ ایسا کر لیتے اور آپ ﷺ کو نکال کر خود رہنا چاہتے تو خود بھی وہاں نہ رہ پاتے اور وہاں ان کا ٹھہرنا بس ذرا سا ہی ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ان لوگوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ زبردستی آپ ﷺ کو نکال دیتے لہذا وہ مکہ ہی میں رہتے رہے پھر انہیں اسلام کی بھی توفیق ہو گئی۔

قال صاحب الروح: وهذا هو التفسير المروي عن مجاهد قال: أرادت قريش ذلك ولم تفعل لأنه سبحانه أراد استبقائها وعدم استيصالها ليسلم منها أعقابها من يسلم فأذن لرسوله عليه الصلاة والسلام بالهجرة فخرج بإذنه لا بإخراج قريش وقهرهم.

﴿ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا ﴾ یہ مصدریت کی بنا پر منصوب ہے یعنی "سننا سنة من قد ارسلنا." مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آپ ﷺ کو نکال دیتے تو ہم انہیں ہلاک کر دیتے آپ ﷺ سے پہلے جو رسول ہم نے

بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان کی امتوں نے نکال دیا تو پھر امتیں بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں تھوڑے سے وقفے کے بعد ہی ہلاک کر دی گئی ﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾ (اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے) اپنی مخلوق کے بارے میں جو طریقے ہم نے جاری کئے ہیں انہیں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو مشفقانہ و محبت بھرا اندازِ خطاب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿طه ﴿١﴾ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ﴿٢﴾ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٣﴾ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ﴿٤﴾ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴿٥﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ ﴿٦﴾ وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ﴿٧﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٨﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۱-۸]

ترجمہ: "طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو،

یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ وہ بڑی رحمت والا ہے عرش پر مستوی ہوا، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان میں ہے اور جو تحت الثری ہے اور اگر آپ زور سے بات کریں تو بلاشبہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی جو اس سے زیادہ خفی ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں۔"

تفسیر: یہاں سے سورۂ طٰہٰ کی ابتدا ہو رہی ہے لفظ "طٰہٰ" "الم" اور دیگر حروف مقطعات کی طرح متشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے (صاحب معالم التنزیل ۲۱۱/۳) نے مفسر کلبی سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی داہنے پاؤں اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿مَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ لِتَشْقَىٰٓ﴾ نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لئے اترا ہے اس پر آیت کریمہ ﴿مَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ لِتَشْقَىٰٓ﴾ نازل ہوئی یعنی ہم نے قرآن کو آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں

آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ ﷺ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہئے۔ یہ قرآن آپ ﷺ پر اس لئے نازل نہیں کیا تھا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ ﷺ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بنا پر آیت شریفہ کا مضمون سورۂ کہف کی آیت کریمہ ﴿فَلَعَلَّكَ بَـٰخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهَـٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾﴾ [الکہف: ۶] کے موافق ہو جائے گا۔ (ذکرہ صاحب الروح جلد ۱۶ ص ۱۴۹)

﴿إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ﴾ یعنی یہ قرآن ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے قرآن مجید تو تمام انسانوں کے لئے ہے لیکن خاص کر خوف و خشیت والوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ جو لوگ قرآن سن کر متاثر نہیں ہوتے اور اس کے مضامین پر ایمان نہیں لاتے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے۔ قال صاحب الروح وخص الخاشي بالذكر مع ان القرآن تذكرة للناس كلهم لتنزيل غيره منزلة العدم غير منتفع به سورۂ یٰس میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ ٱتَّبَعَ ٱلذِّكْرَ وَخَشِىَ ٱلرَّحْمَـٰنَ بِٱلْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾﴾ [یٰس: ۱۱]

ترجمہ: "آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔"

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور بغیر دیکھے اس سے

ڈرتے ہیں ایسے ہی لوگ نصیحت پر کان دھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

﴿تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى﴾

ترجمہ: "یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔"

﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾

ترجمہ: "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔"

استویٰ علی العرش کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ [الأعراف: ۵۴] کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے۔ (انوار البیان جلد ۲)

فضیلت

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اس کا ذکر اپنے پاک کلام قرآن مجید میں یوں فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾﴾

[الأنبياء: ۱۰۷]

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔"

تفسیر: آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "إنما أنا رحمة مهداة"، یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ، اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "إن الله بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وأمرني ربي بمحق المعازف والمزامير والأوثان والصليب وأمر الجاهلية" (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، آپ ﷺ تشریف لائے، سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا، اس وقت سے لے کر آج تک بہت بڑی تعداد انسانوں اور جنات کی ہدایت پاچکی ہے، ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت وبربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی، آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی، توحید کی روشنی پھیلی، جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے، قیامت نہیں آئے گی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم)

یہ اللہ تعالیٰ کی یاد آپ ﷺ کی محنتوں کا ہی نتیجہ ہے۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے عالم کے لئے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے دعا کرتے ہیں اور حتیٰ کہ ان کے لئے مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔(مشکوۃ المصابیح ص ۳۴)

اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ جب تک علوم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی، اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آجائے، اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلبہ کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو؟ اور اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا، تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے "ذكره ابن الجزري في الحصن الحصين" اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مؤمن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اس سے عالم کی بقا ہے، مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں، قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا، سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے، اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذریعہ ملی ہے، اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہوگی، جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے

طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا، روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کردی جاتی تھیں، نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا، آخرت میں سب کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آنحضرت ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آنحضرت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے لئے بد دعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: "إني لم أبعث لعّاناً وإنما بعثت رحمة" کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب)

آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ بد خلقی کا بہت برا برتاؤ کیا، پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آکر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کرتا، میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۲۳)

سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُم﴾ آپ ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں، اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں، ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۱۲۸)﴾ آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رأفت اور رحمت کا تعلق ہے، آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو جاتے، آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا، ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے، اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے، اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے، مریض کو تسلی دیتے تھے، تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے، جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہیے لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت

کرے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے، کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو)۔ (رواہ البخاری و مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی جیسے کوئی شخص سوار ہو۔ (رواہ مسلم)

(جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے، ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی حفاظت رہتی ہے۔)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلو جب تک دوسرے چپل کو درست نہ کرلو (پھر دونوں کو پہن کر چلو) اور یہ بھی فرمایا: کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلو، (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا۔)

آپ ﷺ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں، میں تمہیں سکھاتا ہوں۔

کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جانے سے بہت زیادہ ایسی تعلیمات سامنے آتی ہیں جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں، اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ

ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں، لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں، اور زبردستی گرتے ہیں، یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں، اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔

(بخاری و مسلم)

(جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنی جانوں کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بنتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائیں ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔)

سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

ترجمہ: "سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ﷺ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور

کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے، پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں، تو آپ اللہ پر توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔"

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا، جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا نہ کرتا۔

اور جس سے ملاقات ہوتی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو، اگر کوئی چیز اللہ کے قضا و قدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی، آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرماتے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بد بخت ہو۔ (مشکوۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے، اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔ (مشکوۃ ص ۴۲۳)

امت محمدیہ ﷺ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت اور شفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت اور شفقت کا مظاہرہ کریں۔ (از تفسیر انوار البیان: ۴۲۴-۳/۶۲۱)

☆ فضیلت ☆

اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہی کامیاب ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۵۱) وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (۵۲)﴾ [النور: ۵۱-۵۲]

ترجمہ: "جب مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔"

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ ایمان والوں کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو سمعنا واطعنا کہہ کر رضامندی ظاہر کرتے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں یہ اہل ایمان سمعنا واطعنا سے ذرا بھی انحراف نہیں کرتے، پہلی آیت میں بھی ان لوگوں کی کامیابی

بتائی اور دوسری آیت میں مزید توضیح فرمائی اور دوبارہ کامیابی کی خوشخبری دی۔
اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ دوم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اطاعت میں وہ سب مامورات داخل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا اور اطاعت میں ان اعمال سے بچنا بھی داخل ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا بلکہ سنن و آداب پر عمل کرنا بھی اطاعت کا جزء ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس میں فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا داخل ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تمام گناہوں سے بچتا رہے گو اطاعت میں گناہوں سے بچنا بھی داخل لیکن مزید تاکید اور اہتمام کے لئے اس کا تذکرہ فرمایا۔ مختصر الفاظ میں مؤمن بندوں کی کامیابی بتادی۔ اسی لئے آیت کے ختم پر ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ فرمادیا۔ فائز یعنی کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچا دیا جائے اور جنت میں داخل کرادیا جائے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے: ﴿فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [آل عمران: ۱۸۵] "سو جو دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کرادیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔"

مفسر ابن کثیر (ص۲۹۹ ج۳) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یخشی اللّٰہ سے گناہوں کے بارے میں ڈرنا مراد ہے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں اور (یتقہ) سے یہ مراد ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچے۔

فضیلت

رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کے لئے سخت وعید

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (٦٣)﴾ [النور: ۶۳]

ترجمہ: "جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔"

تفسیر: اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، اور آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت میں فتنہ میں مبتلا ہو جانے یا دردناک عذاب کی وعید شدید سنائی گئی ہے۔

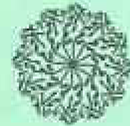
فتنہ سے مراد دنیا میں مصیبت اور مشقت میں پڑنا ہے، اور دردناک عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے، اس میں منافقین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور چپکے سے مجلسوں سے کھسک جاتے ہو، اس کو معمولی بات نہ سمجھنا۔ اس کی وجہ سے دنیا میں بھی مبتلائے عذاب ہو سکتے ہو اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

آیت کریمہ کا سیاق گو منافقین کی حکم عدولی کے بارے میں ہے لیکن

الفاظ کا عموم ہر خلاف ورزی کرنے والے کو شامل ہے۔

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم سامنے آتا ہے تو حکم عدولی کرتے ہیں، نفس کے تقاضوں اور بیوی بچوں کے مطالبات اور رسم ورواج کی پابندی اور حب دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی قصداً خلاف ورزی کرجاتے ہیں، اور بعضے تو مولویوں کو صلواتیں سناتے ہیں، چوری اور سینہ زوری اور زبانی کٹ حجتی پر اترتے ہیں، ڈاڑھی مونڈنے اور کاٹنے ہی کو لے لو، اور رشوت کے لین دین کو سامنے رکھ لو، بے پردگی اور خیانت کا اندازہ لگالو، اور دیکھو کہ زندگی میں کہاں کہاں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی ہورہی ہے، اور یہ بھی سمجھ لو کہ ان کی خلاف ورزی پر وعید شدید ہے، ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہاں کہاں اور کس کس عمل سے آخرت برباد ہورہی ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

اس آیت کریمہ میں وارد لفظ "فتنہ" کا مطلب امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کا تسلط بیان کیا ہے، یعنی اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان پر جابر وظالم حکمران مسلط کردیئے جائیں گے۔ (از انوار القرآن)



فضیلت

رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا تاکہ آپ کے قلب مبارک کو خوب ثبات اور قوت حاصل رہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾﴾ [سورۂ فرقان: ۳۲]

ترجمہ: "اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کردیا گیا، ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔"

تفسیر: مشرکین مکہ اپنے عناد سے طرح طرح کے اعتراض تراشتے تھے انہیں اعتراضات میں سے ایک یہ اعتراض تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور یہ کلام جو تمہیں سناتا ہوں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس نے یہ قرآن ایمان لانے کے لئے بھیجا ہے تو یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے یک وقت ایک ہی ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا؟ ان لوگوں کا یہ اعتراض حماقت پر

منی تھا، جس کی کتاب ہے وہ جس طرح بھی نازل فرمائے اسے پورا اختیار ہے "كذلك أي نزلناه كذلك تنزيلاً مغايراً لما اقترحوا لنثبت به فؤادك" (تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت دیں) اس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے کی حکمت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنا آپ کے قلب مبارک کو تقویت دینے کا سبب ہے۔

صاحب روح المعانی (ج ۱۹ ص ۱۵) پر لکھتے ہیں کہ تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں حفظ کی آسانی ہے اور فہم معانی ہے اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کی معرفت ہے جن کی رعایت انزال قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آنا اور جو بھی کوئی چھوٹی یا بڑی سورت نازل ہو اس کا مقابلہ کرنے سے معترضین کا عاجز ہو جانا اور ناسخ اور منسوخ کو پہچاننا وغیرہ یہ سب آپ ﷺ کے قلب کی تقویت کا سبب ہے۔

جب معترضین کوئی اعتراض اٹھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ ﷺ کی تسلی کے لئے نزول قرآن ہو جاتا تھا اس سے آپ ﷺ کو ہر بار تقویت حاصل ہو جاتی تھی۔ اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو گیا ہو تو یہ بار بار کی تسلی کا فائدہ حاصل نہ ہوتا، حضرت جبریل علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن شریف لیکر نزول فرماتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی مسرت وفرحت وتقویت قلب حاصل ہوتی تھی ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ ہمارے پاس جتنی مرتبہ آتے ہو اس سے زیادہ آیا کرو اس پر آیت شریفہ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ [مریم: ۶۴] نازل ہوئی جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کا جواب ذکر فرمایا انہوں نے

جواب میں کہا کہ ہم خود نہیں آتے جب آپ کے رب کا حکم ہوتا ہے ہم اسی وقت آتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا ﴿وَرَتَّلْنَٰهُ تَرْتِيلًا﴾ "اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے" صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ "بيناه بياناً فيه ترسل" کہ ہم نے اس قرآن کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور وقفہ وقفہ سے نازل فرمایا ہے چنانچہ پورا قرآن کریم تیئس سال میں نازل ہوا۔

فائدہ: واضح رہے کہ ہم نے یہاں تدریجاً قرآن مجید نازل فرمانے کی ایک حکمت ذکر کی ہے اس کے علاوہ دوسری حکمتیں بھی ہیں جو علوم القرآن میں علماء کرام نے تحریر فرمائی ہیں۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم کی قسم کھا کر فرمانا کہ بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يسٓ ۝١ وَٱلْقُرْءَانِ ٱلْحَكِيمِ ۝٢ إِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝٣﴾ [یٰس: ۱-۳]

ترجمہ: "یٰسٓ (یہ متشابہات میں سے ہے اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا) قسم ہے قرآن حکیم کی، بلاشبہ آپ رسولوں میں سے ہیں۔"

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکرین کی تردید فرمادی اور صاف صاف فرمادیا کہ آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں، بلکہ مزید یہ بھی فرمادیا کہ آپ ﷺ سیدھے راستہ پر ہیں۔

اور سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ﴾ [المنافقون: ۱]

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

فضیلت

نبی اکرم ﷺ کا تعلق مؤمنین سے اس سے بھی زیادہ ہے جو اُن کا اپنی جانوں سے ہے، اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات مؤمنین کی مائیں ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ۶]

ترجمہ: ”مؤمنین سے نبی ﷺ کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو ان کا اپنے نفسوں سے ہے، اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

تفسیر: اس آیت کریمہ میں کئی باتیں بیان فرمائیں ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو مؤمنین سے جو تعلق ہے وہ اس تعلق سے بھی زیادہ ہے جو مؤمنین کو اپنی جانوں سے ہے، اس میں بہت سے مضامین آجاتے ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایمان والوں کے ساتھ جو رحمت اور شفقت کا تعلق ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ مؤمنین کو بھی اپنی جانوں سے اتنا تعلق نہیں ہے، چنانچہ آپ ﷺ مؤمنین پر اتنے شفیق ومہربان تھے کہ طبیعت پر یہ گوارہ نہ تھا کہ کسی مؤمن کو کوئی تکلیف پہنچ جائے، آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کو دینی ضرورت سے غصہ میں کچھ فرمادیا تو اس کو بھی رحمت بنادیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا کی: ”اللهم إني اتخذت عندك عهداً لن تخلفنيه فإنما أنا بشر فأي المؤمنين آذيته شتمته لعنته جلدته فاجعلها له صلاة وزكاة تقربه إليك يوم القيامة.“ (صحیح مسلم باب من لعنہ النبی ﷺ) اے اللہ میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں جو امید ہے کہ آپ ضرور قبول فرمائیں گے، وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں، پس جس کسی مؤمن کو میں نے تکلیف دی، برا بھلا کہا، ڈانٹ ڈپٹ کی، کوڑا مارا، تو میرے اس عمل کو آپ اس کے لئے رحمت اور پاکیزگی اور اپنی نزدیکی کا ذریعہ بنادیجئے، جس کے ذریعہ آپ قیامت کے دن اس کو اپنے قرب سے نوازیں۔ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور بتایا اور تعلیم دی، اس میں مؤمنین کے لئے خیر ہی خیر ہے، جبکہ خود مؤمن بندے کبھی اپنی رائے کی غلطی سے اور کبھی کسی خواہش سے متاثر ہو کر دنیا وآخرت میں اپنی جانوں کو تکلیف پہنچانے والے کام بھی کر گزرتے ہیں،

آپ ﷺ نے اپنی شفقت کو ایک مثال دے کر سمجھایا اور فرمایا کہ میری تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے آس پاس روشنی کردی تو پروانے اور یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں، اس میں گرنے لگے، آگ جلانے والا ان کو روکتا ہے، اور وہ اس پر غالب ہو جاتے ہیں، اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہے میں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں کہ آجاؤ آگ سے بچو، آجاؤ آگ سے بچو، پھر تم مجھ پر غلبہ پا جاتے ہو، (یعنی ایسے کام کرتے ہو جو دوزخ میں جانے کا سبب ہوتے ہیں) (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کی کوشش تو یہی رہی کہ امت کا کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے لیکن دنیاداری کی وجہ سے اور نفس کی خواہش کے دباؤ سے لوگ گناہ کر کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہاں تو آپ ﷺ اپنی امت کی خیر خواہی کے لئے محنت کی ہی تھی، آخرت میں سفارش بھی کریں گے، آپ ﷺ کی شفقت میں نہ یہاں کمی رہی اور نہ وہاں ہوگی، البتہ امت کو بھی اپنی جانوں کو عذابِ آخرت سے بچانے کے لئے فکر مند ہونا چاہئے آپ ﷺ نے تو یہاں تک کیا کہ امت کی خیر خواہی کے لئے یقیناً مقبول ہونے والی دعا کو آخرت میں فائدہ پہنچانے کے لئے محفوظ فرمالیا، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک دعاء مستجاب ہے، لہٰذا ہر نبی نے اپنی دعا کو دنیا ہی میں استعمال کرلیا، اور میں نے یہ دعا اپنی امت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن تک چھپا کر رکھ لی ہے، سو میری امت میں سے ہر اس شخص کو پہنچ جائے گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ (رواہ مسلم)

فضیلت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم ہو جائے تو اس پر عمل کرنا لازم ہے خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴿٣٦﴾﴾ [الأحزاب: ٣٦]

ترجمہ: ''اور کسی مؤمن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا حکم دے دیں تو انھیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

تفسیر: آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مومن مرد اور عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آجائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے، جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے، اسلام سراپا فرماں برداری کا نام ہے، یہ جو آج کل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمانی کے دعویدار بھی ہیں لیکن احکام شرعیہ

پر عمل کرنے کو تیار نہیں یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں، جب قرآن وحدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آج کل اس پر عمل نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصداً و ارادتاً قرآن وحدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: ﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا) فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اور سنن ونوافل کی ادائے گی کی بھی حرص کرنا چاہئے، جس کا فرماں برداری کا مزاج نہیں ہوتا وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوٹنے لگتے ہیں پھر فرائض کی ادائے گی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتی کہ شیطان وسوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملا ہے وہ جان سے قبول کرے، نیم دروں نیم بروں، مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی، یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔ (انوار البیان)

فضیلت

آنحضرت ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح آسمان پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

آنحضرت ﷺ کو جہاں بہت سی خصوصیات اور امتیازات عطا فرمائے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ

ﷺ کا نکاح آسمان پر فرمادیا، اور اس نکاح کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بذریعہ وحی نازل فرمائی۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ارشاد عالی ہے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾﴾ [الاحزاب: ٣٧]

ترجمہ: "اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس عورت (یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم پورا ہونے ہی والا تھا۔"

چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری ازواج مطہرات سے فخریہ کہا

کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر سے کیا۔ "فكانت زينب تفخر لى أزواج النبي ﷺ وسلم تقول: زوجكن أهاليكن وزوجني الله من فوق سبع سماوات"۔ (بخاری شریف)

❊ فضیلت ❊

آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا اعلان

نبی اکرم حضرت محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں، اس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمادیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾﴾ [الأحزاب: ٤٠]

ترجمہ: "تمہارے مردوں میں سے محمد (ﷺ) کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن اللہ کے رسول ہیں، نبیوں کی مُہر ہیں۔"

تفسیر: اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کسی بالغ مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بحیثیت رسول ہونے کے ساری امت پر فرض ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کے اکرام واحترام کا ہمیشہ لحاظ رکھیں، اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو خاتم النّبیین بھی بتایا اور یہ اعلان فرمادیا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد

کوئی بھی نبی قیامت تک آنے والا نہیں ہے آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تھے، وہ خاص قوم کے لئے اور محدود وقت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک تمام جنات اور انسانوں اور تمام قوموں اور قبیلوں اور تمام زمانوں اور تمام مکانوں کے بسنے والوں کے لئے رسول ہیں، اور نبی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر کسی کا وصف نبوت سے متصف ہونا یعنی نبوت جدیدہ سے سرفراز کیا جانا ختم ہو گیا ہے، اور سلسلہ نبوت آپ ﷺ کی ذات گرامی پر منقطع ہو گیا اب نبوت جدیدہ سے کوئی شخص متصف نہیں ہو گا، لہٰذا ختم نبوت کے منکر قرآن کے منکر ہیں، اور اسلام سے خارج ہیں، آپ ﷺ کے بعد جو بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، گمراہ ہے، کافر ہے، اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی گمراہ اور کافر ہیں، اور آیت قرآنیہ کے منکر ہیں، جس میں صاف اس بات کا اعلان فرمادیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث شریفہ میں بھی اس کی تصریح وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے، صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فضلت على الأنبياء بست، أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض طهوراً ومسجداً، وأرسلت إلى الخلق كافة، وختم النبيون" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں

کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھ کو جامع کلمات دیئے گئے ہیں (یعنی ایسے کلمات عطا کیئے گئے ہیں کہ لفظ تو بہت کم ہیں اور معنی بہت زیادہ) (۲) میری مدد اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال دیا (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا (۴) تمام زمین میرے لئے جائے طہارت و سجدہ فرمادی گئی (۵) مجھ کو تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا (یعنی میری بعثت تمام عالم کے لئے ہے، کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں) (۶) میں خاتم النبیین ہوں مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیین ہونا آپ ﷺ کی خاص خصوصیت اور فضیلت ہے اب قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت عطا نہیں ہو گی، اس لئے کہ آپ ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کی شریعت کامل ہے اور تمام گزشتہ ادیان اور شرائع کی ناسخ ہے، اب قیامت تک کسی دین اور شریعت آپ ﷺ کی امت کے علماء، انبیاء بنی اسرائیل کی طرح قیامت تک آپ ہی کی شریعت سے عالم کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ ختم نبوت کو ایک مثال دے کر آنحضرت ﷺ نے مزید سمجھایا ہے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری مثال اور گزشتہ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے نہایت عمدہ مکان بنایا اور اس کو خوب آراستہ وپیراستہ کیا مگر اس کے ایک کونہ پر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑدی اور لوگ اس کے مکان کے ارد گرد آکر گھومنے لگے اور مکان کی تعمیر خوب پسند آئی، اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگادی گئی کہ مکان بالکل مکمل ہو جاتا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس قصر نبوت کی آخری اینٹ میں

ہوں، جس سے وہ محل پورا ہوا، اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (رواہ البخاری ومسلم)

یعنی مطلب یہ ہے کہ قصر نبوت بالکل مکمل ہو چکا ہے اب اس میں کسی تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ دونوں طرح اور دونوں معنوں میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں، اور جو حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرے وہ بلا شبہ کافر اور مرتد ہے، اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدعیان نبوت سے جہاد وقتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے ہے، بلکہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد امت محمدیہ ﷺ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیانِ نبوت کے قتل پر ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

صفت خاتم الأنبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالاتِ نبوت و رسالت میں آپ ﷺ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کردیا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ [المائدة: ٣]

ترجمہ: "یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی ہے۔"

انبیاء سابقین کی شریعتیں بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھیں، کوئی ناقص نہ تھی، لیکن کمالِ مطلق اسی شریعتِ مصطفوی کو حاصل ہوا، جو اولین وآخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

(معارف القرآن / مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كانت نبوة بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون."

بنی اسرائیل کی سیاست، اور انتظام خود انبیاء (علیہم السلام) کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا، تو امت کی تعلیم وہدایت کا انتظام آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہو گا، جو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے۔

صحیح بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لم يبق من النبوة إلا المبشرات." (متفق علیہ عن أبی ہریرۃ) یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، بجز مبشرات کے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے: میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، سوائے مبشرات کے، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! مبشرات سے کیا

مراد ہے؟ فرمایا: سچے خواب جو خود مسلمان دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے۔ (مسند احمد)

اس حدیث شریف نے کس قدر وضاحت سے بتلایا ہے کہ مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

مسند احمد اور سنن ترمذی کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي." (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث صحیح) بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا، اور نہ نبی۔

❖ فضیلت ❖

رسول اللہ ﷺ گواہ اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اور اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشن کرنے والے چراغ بنا کر بھیجے گئے

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو بہت سی صفات حمیدہ سے سرفراز فرمایا آنے والی آیت کریمہ میں بھی چند اہم ترین صفات ذکر فرمائیں ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذۡنِهِۦ وَسِرَاجٗا مُّنِيرٗا ﴿٤٦﴾﴾ [الاحزاب: ۴۵-۴۶]

ترجمہ: "اے نبی بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی صفات جمع فرمائیں گئیں ہیں مثلاً ① آپ ﷺ کا رسول ہونا ② آپ ﷺ کا شاہد ہونا ③ آپ ﷺ کا بشارت دینے والا ہونا ④ آپ ﷺ کا ڈرانے والا ہونا ⑤ آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہونا (یعنی داعی) ⑥ آپ ﷺ کا روشن کرنے والا چراغ ہونا۔

عربی زبان میں شاہد کہتے ہیں گواہ کو، رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عظیم بخشا کہ آپ ﷺ کو اِس امت پر بھی اور سابقہ امتوں پر گواہ بنایا سورۂ بقرہ میں فرمایا:

﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت فرمادیا جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول تم پر گواہ ہو جائے۔"

اور سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾ [النسآء: ۴۱]

ترجمہ: "سو کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک

گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنائیں گے۔"

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے سے پہلی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے، اور یہ بہت بڑا شرف ہے جو آپ ﷺ کو عطا کیا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہو گا کیا تم نے تبلیغ کی، وہ عرض کریں گے، یارب میں نے واقعتاً تبلیغ کی تھی، ان کی امت سے سوال ہو گا کہ بولو انھوں نے تم کو احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا، اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں، یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کرکے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بیشک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آیتِ ذیل تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

[البقرۃ: ۱۴۳]

یہ بخاری شریف کی روایت ہے، اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں

بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی، ان کے نبیوں سے سوال ہو گا کہ تم نے تبلیغ نہیں کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر اُن سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے، چنانچہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت سے سوال ہو گا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں، وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے سوال ہو گا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور انھوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (دیکھئے درمنثور ج۱ ص۱۴۴)

(مأخوذ از انوار البیان) بلا شبہ ان آیات کریمات اور احادیث واضحات سے آنحضرت ﷺ کے مقام عالی اور آپ ﷺ کی امت کے بلند مرتبہ کا پتہ چلتا ہے کہ میدان حشر جہاں اولین وآخرین سب ہی ہوں گے وہاں یہ عظیم گواہی سامنے آئے گی، اور گواہی کے اس عظیم شرف سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے امتی نوازے جائیں گے، معلوم ہوا کہ یہ امت خیر الأمم ہے، اور اس کے نبی أفضل الأنبیاء والرسل ہیں۔

سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت کریمہ میں شاہد (گواہ) کی صفت کے ساتھ ایک صفت ''مبشر'' کا ذکر بھی ہوا، مبشر کہتے ہیں (بشارت دینے والا) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشارت دینے والا بنا کر بھیجا، اہل ایمان کو ایمان کے منافع اور اعمال صالحہ کے اجر وثواب کی خوشخبری دینا آپ کے کارِ مفوضہ میں شامل ہے۔

اسی آیت کریمہ میں ایک صفت آپ ﷺ کی نذیر (ڈرانے والا) ہے، یعنی جیسا کہ آپ ﷺ کو اہل ایمان کے لئے بشارت دینا والا بنا کر بھیجا، اسی طرح اہل کفر اور اہل معصیت کو ڈرانے والا اور وعیدیں سنانے والا بھی آپ ﷺ کو بنا کر بھیجا اور یہ دونوں چیزیں یعنی بشارت دینا اور ڈرانا آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ہیں، عرب وعجم کے لئے تمام ادیان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔

آیت مذکورہ میں رسول اکرم ﷺ کی ایک اہم صفت داعی إلی اللہ بیان فرمائی گئی ہے ﴿ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ ﴾ ''اور ہم نے آپ کو اللہ کی طرف بلانے والا بھیجا اللہ کے حکم سے۔'' یعنی اس میں یہ بتلادیا گیا کہ آپ ﷺ سارے انسانوں اور سارے جنات کو توحید کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں، آپ ﷺ نے بڑی محنت سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اللہ تعالیٰ کا بول بالا کیا، اور اس کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، مگر پیچھے نہیں ہٹے بلکہ آگے بڑھتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کے سامنے ہی امت مسلمہ کی بھاری تعداد وجود میں آگئی تھی، اب یہ دعوت إلی غیر المسلمین کا کام اس امت کے ذمہ ہے، اس کو چاہیئے کہ دعوت کا کام ہمیشہ جاری رکھے۔

آپ ﷺ کی صفات بیان فرماتے ہوئے آیت کے ختم پر ﴿ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴾ فرمایا یعنی ہم نے آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا، اس چراغ کی وجہ سے لوگ جہالت وگمراہی کی تاریکیوں سے نکلتے ہیں، اور انوار ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو ﴿ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴾ سے تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ

ﷺ کی ذات گرامی سے صرف آپ کے زمانہ کے انسانوں اور جنات ہی نے روشنی حاصل نہیں کی، بلکہ آپ ﷺ کے بعد بھی یہ روشنی رہے گی اور آپ ﷺ کے علوم اور اعمال کو پہنچانے والے برابر رہیں گے، جس طرح ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن ہو جاتے ہیں پھر ان چراغوں سے دوسرے چراغوں کو روشنی ملتی چلی جاتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کا نور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو ملا پھر انھوں نے اسے آگے بڑھایا اور آج تک ہر استاد سے شاگرد تک پہنچ رہا ہے، اور آپ ﷺ کے جلائے ہوئے چراغوں سے برابر چراغ روشن ہیں، گو آپ ﷺ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے، لیکن چونکہ ہمیشہ سے آفتاب ایک ہی آفتاب ہے، پھر یہ کہ اس کی روشنی بھی دائمی نہیں، رات کو اندھیرا ہو جاتا ہے، اور اس سے روشنی حاصل کرنا بندوں کے اختیار میں بھی نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو سراج منیر سے تشبیہ دینا مناسب ہوا، کہ ایک چراغ سے بہت سے چراغ جل سکتے ہیں، اور جس وقت چاہیں اس سے روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔

فضیلت

نکاح کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعض خصوصیات

اللہ سبحانہ وتبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَحۡلَلۡنَا لَكَ أَزۡوَٰجَكَ ٱلَّٰتِيٓ ءَاتَيۡتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتۡ يَمِينُكَ مِمَّآ أَفَآءَ

ٱللَّهُ عَلَيۡكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّٰتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَٰلَٰتِكَ ٱلَّٰتِي هَاجَرۡنَ مَعَكَ وَٱمۡرَأَةٗ مُّؤۡمِنَةً إِن وَهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنۡ أَرَادَ ٱلنَّبِيُّ أَن يَسۡتَنكِحَهَا خَالِصَةٗ لَّكَ مِن دُونِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۗ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ وَمَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ لِكَيۡلَا يَكُونَ عَلَيۡكَ حَرَجٞۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمٗا ﴿٥٠﴾ ﴾ [الاحزاب: ۵۰]

ترجمہ: "اے نبی! ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کردی جن کو آپ اُن کے مہر دے چکے ہیں، اور وہ عورتیں بھی حلال کیں جو آپ (ﷺ) کی مملوکہ ہیں، ان اموال میں سے جو اللہ نے آپ (ﷺ) کو مال غنیمت میں سے دلوائے، اور آپ (ﷺ) کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ (ﷺ) کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ (ﷺ) کے ماموں کی لڑکیاں اور آپ (ﷺ) کی خالاؤں کی لڑکیاں حلال کردیں، جنھوں نے آپ (ﷺ) کے ساتھ ہجرت کی، اور ہم نے ہر ایسی مومنہ عورت حلال کی جو بغیر عوض کے اپنی ذات نبی کو ہبہ کردے، اگر پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں، یہ حکم آپ (ﷺ) کے لئے خاص ہے نہ کہ دیگر مؤمنین کے لئے۔"

تفسیر: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد رسول اللہ ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح فرمایا، ان میں اکثر مہاجرات تھیں، البتہ صفیہ بنت حیی بن

اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہود خیبر کے قیدیوں میں سے اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں، اور باندیوں میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور زمانہ رضاعت ہی میں وفات پا گئے۔

آیت بالا میں فرمایا کہ اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیویاں حلال کردیں ہیں، یہ وہ بیویاں ہیں جنھیں آپ ان کے مہر ادا کر چکے ہیں۔

مہر ادا کردینا ازدواجی تعلقات حلال ہونے کی شرط نہیں، لیکن جتنا جلد ادا کرسکے وہ بہتر ہے، خاص کر مہر معجّل تو ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے پہلے ہی دیدینا چاہیئے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے چچا کی لڑکیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی لڑکیاں اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں اور آپ کی خالاؤں کی لڑکیاں حلال کردیں، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے ان رشتہ داروں کی بیٹیوں کو حلال تو فرمادیا لیکن ان میں سے آپ ﷺ کے نکاح میں صرف حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں جو آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔

آیت کریمہ میں مزید یہ فرمایا گیا کہ: اور ہم نے ہر ایسی مومنہ عورت حلال کی جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو ہبہ کردے، اگر پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں نہ کہ مؤمنین کے لئے۔

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان عورت رسول اللہ ﷺ کو اپنا نفس ہبہ کردے، یعنی مہر کے بغیر آپ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ ﷺ

کے لئے یہ نکاح حلال ہے، اور یہ خاص آپ ﷺ کے لئے ہے، دوسرے مؤمنین کے لئے نہیں، اگر کوئی دوسرا مسلمان کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اور عورت یوں کہہ دے کہ میں مہر نہیں لوں گی، تب بھی مہر مثل دینا ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے بھی آنحضرت ﷺ کے مقام عالی کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے وہ نکاح میں بھی وہ خصوصیات عطا فرمائیں جو کسی اور کے حصہ میں نہیں آئیں، مثلاً چار سے زائد کی اجازت، اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت سے بغیر مہر کے نکاح وغیرہ وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو صرف آنحضرت ﷺ ہی کو ملی ہیں اور ان میں کوئی آپ ﷺ کا شیل نہیں۔

❁ فضیلت ❁

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب ﷺ کی دلداری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے سلسلہ میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تُرْجِي مَن تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ إِلَيْكَ مَن تَشَآءُ ۖ وَمَنِ ٱبْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ﴾ [الاحزاب: ۵۱]

ترجمہ: ”آپ (ﷺ) ان میں سے جسے چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جسے چاہیں اپنے نزدیک ٹھکانہ دیں، اور جسے آپ

ﷺ دور کریں اسے طلب کریں تو اس بارے میں آپ پر کوئی گناہ نہیں۔"

ازواج مطہرات کے بارے میں آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں دور کردیں۔

تفسیر: بیویوں کے درمیان عدل بالخصوص بیت (رات گزارنے) کا مسئلہ شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے، جس سے بہت سے متعدد بیویاں رکھنے والے لوگ غافل ہیں، بلکہ دوسرے نکاح کی شرط ہی عدل قرار دی ہے اور فرمادیا:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝٣﴾ [النساء: ٣]

ترجمہ: "اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر لو، یا ان لونڈیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں، یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ چونکہ ساری انسانیت کے لئے نمونہ تھے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ نمونہ ہیں، اس لئے آپ نے اپنی بیویوں کے درمیان ایسا عدل فرمایا کہ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، آپ سفر میں ہوتے یا حضر میں ہر حال میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ عدل کا معاملہ فرماتے، یہاں تک آپ ﷺ کی پوری زندگی میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں آپ سے دامن عدل چھوٹا ہوا، یا کسی زوجہ مطہرہ کا حق آپ نے ادا نہ کیا ہو، ادھر تو آپ ﷺ کا عدل بے مثال اور

اپنی مثال آپ ہے دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ازواج مطہرات کے سلسلہ میں یہ اختیار دیدیا تھا کہ آپ جس کو چاہیں قریب کریں اور جس کو چاہیں دور کریں، یعنی آپ ﷺ سے بیت میں برابری کا حکم مرتفع فرمادیا تھا۔

آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے نکاح میں جو عورتیں ہیں ان میں باری مقرر کرنے یا نہ کرنے کا آپ ﷺ کو اختیار ہے، کہ جس کو چاہیں باری دینے میں شامل فرمادیں اور جس کو چاہیں شامل نہ فرمائیں، یعنی ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنا آپ ﷺ پر واجب نہیں، جیسا کہ امت کے ہر فرد پر واجب ہے، اگر آپ ﷺ نے کسی کو باری میں شمار نہیں فرمایا اور اس کے بعد پھر اس کے لئے باری مقرر کرنا چاہیں تو پھر سے باری میں شامل فرماسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ تمام بیویوں کے لئے باری مقرر کرتے تھے، اور برابری فرماتے تھے، البتہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیدی لہذا آپ ﷺ ان کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیدیتے تھے اور سفر میں تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالتے تھے، اس طرح آپ سب کی دلداری فرماتے تھے۔ صلوات ربی وسلامہ علیہ۔

الحمد للہ رب العالمین

فضیلت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو تنبیہ کہ ایسا کام نہ کرو جو میرے نبی کے لئے باعث تکلیف ہو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَـٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَـٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ وَلَا مُسْتَـْٔنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى ٱلنَّبِىَّ فَيَسْتَحْىِۦ مِنكُمْ ۖ وَٱللَّهُ لَا يَسْتَحْىِۦ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَـٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا۟ رَسُولَ ٱللَّهِ وَلَآ أَن تَنكِحُوٓا۟ أَزْوَٰجَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦٓ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾﴾ [الأحزاب: ۵۳]

ترجمہ: ”اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور

باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں فرماتا، اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو، تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، اور تم کو یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، بیشک تمہاری یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بھاری ہوگی۔“

تفسیر: اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ ﷺ کا کیا عالی مقام ہے اس سلسلہ کی بہت سی آیات قرآنیہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں، انھیں میں سے ایک آیت کریمہ سورۂ احزاب کی درج کی جاتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو آنحضرت ﷺ کے مکان پر دیر تک بیٹھے باتوں میں مشغول رہے، اور آنحضرت ﷺ کو ان کا زیادہ دیر تک بیٹھنا ناگوار گزرا تاہم آپ ﷺ نے از روئے اخلاق کریمانہ اُن لوگوں سے چلے جانے کے لئے نہیں فرمایا، بلکہ خود ہی اٹھ کر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کے دل پر ناگوار گزرنے والی اس بات پر مسلمانوں کو بعض ہدایات فرمائیں جو آیت کریمہ میں واضح ہیں۔

آیت کریمہ میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں، پہلا حکم تو یہی ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو، ہاں اگر تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو، کہ جلدی پہنچ جاؤ، اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو، دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں

سے منتشر ہو جاؤ، وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہو، اور باتوں میں جی لگائے رہو، کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے، وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں صاف بتاتا ہے، اور صاف حکم دیتا ہے، کہ تم کھانا کھا کر چلے جاؤ نبی اکرم ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب (بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کیا (اور ولیمہ کھانے کے لئے آپ ﷺ کے دولت کدہ پر) لوگ حاضر ہوئے تو طعام ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہے، حضور اکرم ﷺ نے چاہا کہ یہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، اور آپ ﷺ نے ایسا طرز اختیار فرمایا کہ گویا آپ اٹھ رہے ہیں تاکہ یہ دیکھ کر یہ لوگ بھی مجلس ختم کر کے چلے جائیں، مگر یہ لوگ جمے بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے، جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی، مگر آپ ﷺ نے اپنے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے اُن کو اٹھ کر جانے کے لئے نہیں فرمایا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اِن بیٹھنے والوں کو تنبیہ تھی۔ (اس حدیث کو بخاری نے متعدد مقامات پر روایت کیا ہے)

الحمد للہ رب العالمین

فضیلت

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے مسلمانوں تم بھی نبی پر درود و سلام بھیجا کرو

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ صَلُّواْ عَلَيْهِ وَسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا ۝٥٦﴾

[الأحزاب: ۵۶]

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

تفسیر: اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجا کریں، مگر اس کی تعبیر وبیان میں یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ بھیجنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا، جس میں آپ ﷺ کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں، عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ

کے بے شمار احسانات ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمالیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں، اور اس کے فرشتے بھی۔

آیت شریفہ میں لفظ ﴿یُصَلُّوْنَ﴾ وارد ہوا ہے، جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ بلا شبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں، لفظ ﴿یُصَلُّوْنَ﴾ صلاۃ سے ماخوذ ہے، مفسرین و محدثین نے فرمایا ہے کہ لفظ صلاۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، رحمت، دعا، مدح، و ثنا، پھر جس کی طرف صلاۃ منسوب ہوگی، اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء و تعظیم اور رحمت و شفقت مراد لیں گے، جیسے کہا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتے ہیں مگر ظاہر ہے جو محبت باپ کو بیٹے سے ہے، بیٹے کو باپ سے اس طرح کی محبت نہیں ہے، نیز بھائی بھائی اور باپ بیٹے کی محبت جدا ہوتی ہے، لیکن محبت سب ہی کو کہا جاتا ہے، اسی طرح صلاۃ کے معنی سمجھ لو کہ اللہ جل شانہ نبی پر صلاۃ بھیجتے ہیں اور فرشتے بھی اور عام مؤمنین بھی، مگر سب کی صلاۃ کے معنی ایک ہی نہیں ہیں، بلکہ ہر ایک کی شان کے مناسب صلاۃ کے معنی مراد ہوتے ہیں، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ کی صلاۃ رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں کی صلاۃ استغفار ہے، اور مؤمنین کی صلاۃ دعائے رحمت ہے، اور ہر ایک میں مدح و ثناء اور تعظیم و توقیر کے معنی ملحوظ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی عظمت و توقیر یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا، اور آپ ﷺ کے دین کو غالب کیا، اور قیامت تک اس کو باقی رکھا، اور آخرت میں آپ ﷺ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ

ﷺ کو شفاعت کبریٰ نصیب فرمائی، اور مقام محمود عطا فرمایا، اور تمام مقربین اور اولین وآخرین پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اور لفظ سلام مصدر معنی السلامۃ ہے، اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے، سلام معنی ثناء کو متضمن ہے، اور اس لئے حرف علی کے ساتھ علیک یا علیکم کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے، کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، تو مراد "السلام علیک" سے یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور رعایت کا متولی اور کفیل ہے۔ (روح المعانی)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ پر درود بھیجا کریں، علمائے امت کا ارشاد ہے کہ اس صیغہ امر (صلوا) کی وجہ سے عمر میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے، اور اگر ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کرے یا سنے تو ذکر کرنے اور سننے والے پر حضرت امام طحاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے، مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایک بار واجب ہے، پھر مستحب ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے اور آقائے دوجہاں ﷺ کی محبت کا ثبوت دے۔

یا رب صل وسلم دائماً أبداً علی حبیبك من زانت به العصر۔

درود شریف کے فضائل وثمرات

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب "جلاء الأفهام" میں ایک

مستقل باب قائم کیا ہے جس میں انھوں نے درود وسلام سے حاصل ہونے والے فوائد وثمرات کو بالتفصیل ذکر کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

- درود ایک ایسا عمل ہے جس میں بندہ اور رب تبارک وتعالیٰ دونوں اس میں ساتھ ہیں، اگرچہ دونوں کے درود میں فرق ہے وہ یہ کہ بندہ کے درود کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس سے سوال ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا درود نبی پاک ﷺ پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کا اکرام فرماتے ہیں اور تعریف فرماتے ہیں۔
- درود ایک ایسا عمل ہے جس میں بندہ کے ساتھ فرشتے بھی شریک ہیں۔
- درود کے ایک دفعہ پڑھنا دس رحمتوں کے نزول کا سبب ہے۔
- درود کے ایک دفعہ پڑھنے سے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔
- ایک مرتبہ درود پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔
- دعا سے پہلے درود کا پڑھنا دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔
- درود شریف کی کثرت سے سرور دوعالم ﷺ کی خصوصی شفاعت نصیب ہونے کی امید ہے۔
- درود شریف گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ ہے۔
- درود شریف کی برکت سے روزِ قیامت آپ ﷺ کا قربِ خاص نصیب ہو گا۔
- تنگدست افراد کے لئے درود شریف کا عمل صدقہ کا بدل ہے۔
- درود شریف حاجت کے پورا ہونے کا وسیلہ ہے۔
- درود شریف نماز کی تکمیل ہے۔

- درود شریف کا وِرد رکھنے والے کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دیدی جاتی ہے۔ (جیسا کہ حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں اس سلسلہ کی حدیث ذکر کی ہے)۔
- درود شریف کی کثرت قیامت کی ہولناکی سے نجات کا سبب ہے (جیسا کہ ابو موسیٰ نے اس سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے)۔
- درود وسلام ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ اس کا بنفسِ نفیس جواب دیتے ہیں۔
- درود شریف کی برکت سے نسیان ختم اور یادداشت واپس آجاتی ہے۔
- وہ شخص بخیل نہیں جو آپ ﷺ کا نام نامی سن کر آپ ﷺ پر درود بھیجے۔
- درود شریف اپنے پڑھنے والے کو جنت میں لے جائے گا۔
- درود شریف ہدایت کا ذریعہ اور دل کی زندگی ہے۔
- ایسا کلام کامل ومکمل ہے جس کا آغاز حمد پاک اور درود وسلام سے ہوا ہو۔
- ابو موسیٰ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ وغیرہ سے ایک روایت منقول ہے کہ درود شریف کی کثرت سے پل صراط پر پورا نور نصیب ہو گا۔
- درود شریف کی کثرت سے دل کی سختی جاتی رہتی ہے۔
- درود شریف کے عمل سے اللہ تبارک وتعالیٰ درود بھیجنے والے کا ذکرِ خیر آسمانوں وزمینوں میں فرماتے ہیں، اس لئے بندہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف کے ذریعہ آپ ﷺ کا اکرام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے رحمت وبرکتوں کا طالب ہوتا ہے، جس کا بدلہ اللہ

تعالیٰ یہ دیتے ہیں کہ اس کا مرتبہ بلند اور اس کا ذکر خیر آسمان وزمین میں فرماتے ہیں، اس لئے کہ جزاء من جنس العمل ہوتی ہے یعنی جیسا عمل ویسی جزاء۔

- درود شریف بھیجنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل و اولاد میں برکتیں نازل فرمائے، جس کے بدلہ اللہ تعالیٰ درود بھیجنے والے کی ذات اور اس کی آل واولاد پر اور اس کے اعمال وافعال اور عمر میں برکت عطا فرماتے ہیں۔
- درود شریف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل ہوتی ہیں، جیسا کہ صلاۃ کے معنی رحمت کے بھی ہیں۔
- درود شریف سے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اضافہ اور اس میں دوام واستمرار نصیب ہوتا ہے، واضح رہے کہ ایمان کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ سے محبت ایک لازمی جزء ہے۔
- دورد شریف بھیجنے والے کے لئے ایک شرف کی بات یہ ہے کہ اس کا نام سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کا ذکر آپ ﷺ کے پاس ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو زمین پر گھومتے ہیں اور درود شریف بھیجنے والے کا درود حضور ﷺ کو پہنچاتے ہیں اور یہی ان کا کام ہے۔
- درود شریف کی برکت سے پل صراط پر ثابت قدمی نصیب ہوگی اور اس پر سے گذرنا آسان ہو گا جیسا کہ عبد الرحمن بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا خواب بیان فرماتے ہیں

کہ میں نے دیکھا کہ میری امت کا ایک شخص پل صراط پر بڑی مشکل سے گذر رہا ہے، کبھی پھسلتا ہے تو کبھی پھر اُٹھ کر چلنے لگتا ہے کہ اتنے میں درود وسلام اس کے کام آتا ہے جس کی برکت سے وہ ثابت قدم ہو کر چلنے لگتا ہے، اس روایت کے راوی ابو موسیٰ المدینی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

- درود شریف سے اُس حق کی کچھ ادائیگی ممکن ہے جو آپ ﷺ کا ہر امتی پر ہے، مکمل حق کی ادائیگی تو ممکن ہی نہیں، سرورِ دو عالم ﷺ کے احسانات امت پر کتنے ہیں اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے درود شریف کے ذریعہ بہر حال کچھ بھی حق کی ادائیگی ہو جائے تو بڑی سعادت کی بات ہے۔
- عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "من صلی علی مرۃ صلی اللہ علیہ بہا عشراً۔"

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ: ۴۰۸، ابوداود: ۱۵۳۰، ترمذی: ۴۸۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔

تشریح: اس حدیث پاک میں درود شریف پر اجر وثواب دس گنا فرمایا گیا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے: رحمتِ حق بہانہ می جوید، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نوازشیں بندوں پر ایسی ہیں کہ ذرا سے عمل پر خوب خوب اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے، قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: ﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الانعام: ۱۶۰] جو کوئی ایک نیکی لے کر حاضر ہوا اس کے لئے دس

نیکیاں ہیں۔

صلاۃ کے یہ معنی مراد لینا بھی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ پر بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: بندہ اگر میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس کی مجلس سے بہتر مجلس (یعنی فرشتوں کی) مجلس میں کرتا ہوں۔ (شرح مسلم ۱/۱۷۶)

امام مناوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حرالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر "صلاۃ" یعنی درود بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بندوں کو کفر کی تاریکی سے نکال کر "دین" کی روشنی یعنی ہدایت کی طرف لاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت میں واضح طور پر یہ بات فرمادی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿هُوَ ٱلَّذِى يُصَلِّى عَلَيْكُمْ وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ۚ وَكَانَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾﴾ [سورۂ احزاب: ۴۳]

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) اور اس کے فرشتے تم پر "صلاۃ" بھیجتے ہیں تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

امام شوکانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی "فیض القدیر" میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف "صلاۃ" کی نسبت سے مراد رحمتِ خداوندی ہوتی ہے، اور وہ اس پر یکے بعد دیگرے دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں محض ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے کی وجہ سے۔

"عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله تعالىٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وسلم مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ." (۲) نسائی (۱۳۹۷)، عمل الیوم واللیلۃ (۶۳)، موارد (۲۳۹۰) مستدرک (۱/۵۵۰)۔

ترجمہ: "حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے کہ: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجا اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔"

تشریح: گذشتہ حدیث پاک کی بہ نسبت اس حدیث شریف میں مزید اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام کا ذکر ہے جو وہ درود شریف پڑھنے والے پر فرماتے ہیں کہ اس کی دس برائیاں مٹادی جاتی ہیں اور دس مرتبے بڑھادئے جاتے ہیں، حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ درود شریف کا پڑھنا بڑے ہی فضیلت والے اعمال میں سے ہے، درود شریف کی فضیلت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اس عمل میں بندہ اور رب دونوں ہی شریک ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِىِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾﴾

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔"

امام مناوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ درود شریف پر اگر کوئی اجر و

ثواب نا بھی رکھا جاتا تو اس کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی تھی کہ اس کی برکت سے حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہونے کی امید ہے، لہٰذا ایک باشعور آدمی اس مبارک عمل سے غافل نہ ہو۔ (فیض القدیر: ۶/۱۶۹)

• "عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتَوَجَّهَ نَحْوَ صَدَقَتِهِ فَدَخَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَأَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّ اللّٰهَ عزوجل قَدْ قَبَضَ نَفْسَهُ فِيهَا فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَجَلَسْتُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قُلْتُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ مَا شَأْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَجَدْتَ سَجْدَةً خَشِيتُ أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ عزوجل قَدْ قَبَضَ نَفْسَكَ فِيهَا فَقَالَ إِنَّ جِبْرِيلَ عليه السلام أَتَانِي فَبَشَّرَنِي فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ عزوجل يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ عزوجل شُكْرًا." (رواه احمد والحاكم وصححه فقال هذا حديث صحيح الإسناد، احمد (۱۹۱۱۱)، مجمع الزوائد (۲۸۷۱۲)، المستدرك (۲۲۲۱۱)

ترجمہ: "حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سائبان کی جانب تشریف لے گئے اور داخل ہو کر قبلہ رو سجدہ میں گر گئے، اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ کہیں آپ ﷺ کی روح تو پرواز نہیں کر گئی ہے، چنانچہ میں آپ ﷺ کے قریب ہوا کہ اتنے میں آپ ﷺ نے سجدہ سے سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں عبد الرحمن ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟

میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا: کہ مجھے خدشہ ہونے لگا کہیں آپ ﷺ کی روح تو پرواز نہیں ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھے یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ! جو تم پر درود بھیجے گا تو میں بھی اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے گا تو میرا سلام بھی اس کو پہنچے گا، تو اس خوش خبری کو سن کر میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدۂ شکر ادا کیا۔"

تشریح: علامہ سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کا مقام بلند کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی کلمہ شہادت میں اسم اعظم کے ساتھ شامل فرمارکھا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا، نیز جس طرح اپنے باری میں فرمایا کہ: جو میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو مجھے اپنے دل میں یاد کرے میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو کسی مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں، اسی طرح آپ ﷺ کے مقام بلند کو واضح فرمایا کہ: جو میرے حبیب ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر بذاتِ خود دس مرتبہ درود (رحمت) بھیجوں گا۔

• "وعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبُشْرٰى فِي وَجْهِهِ فَقُلْنَا إِنَّا لَنَرَى الْبُشْرٰى فِي وَجْهِكَ فَقَالَ إِنَّهُ أَتَانِي الْمَلَكُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ (صلى الله عليه وسلم) إِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ أَمَا يُرْضِيكَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْكَ

أَحَدٌ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا." (رواہ احمد (۴\۳۰)، النسائی رقم (۱۲۸۳)، موارد الظمآن (۲۳۹۱)

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور بشاشت سے چمک رہا تھا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے بشاشت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں فرشتہ نے آکر یہ خوشخبری دی کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ: اے محمد ﷺ! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ جو بھی تم پر ایک مرتبہ درود پڑھے میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں، اور جو ایک مرتبہ سلام کرے میں اس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجوں۔"

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اسی رضائے خداوندی کا ایک حصہ ہے جس کا ذکر اور وعدہ سورۂ والضحیٰ میں فرمایا گیا:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥﴾ [سورۂ ضحیٰ: ۵]

ترجمہ: "اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا سے نوازے گا جس سے آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔"

اور یہ بشارت بھی درحقیقت اُمت ہی کے لئے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی و مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔

ذرا غور فرمائیں کہ جب آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے پر یہ نوازشات و

عنایات ہیں تو اُس اعزاز و اکرام کا کیا حال ہو گا جب آپ ﷺ کو مرتبۂ شفاعت سے نوازا جائے گا اور آپ ﷺ شافع محشر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو شفاعت نصیب فرمائے آمین اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ صرف صلاۃ (یعنی درود) پر یا صرف سلام پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ جس طرح فضیلت درود اور سلام دونوں کی ہے اسی طرح دونوں کو اختیار کیا جائے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

اس لئے درود و سلام دونوں ہی کو ورد میں رکھنا افضل ہے، ہاں کبھی صرف درود پڑھ لے اور پھر سلام پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں، مگر بہتر یہی ہے کہ دونوں کو ساتھ ہی میں پڑھے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے، ابن علان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب فتوحات میں بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ (الفتوحات الربانیۃ: ۳/۳۳۲)

- "وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً طيب النفس يرى في وجهه البشر، قالوا: يارسول الله أصبحت اليوم طيب النفس يُرى في وجهك البشر، قال: أجل أتاني من ربي عزو جل فقال: من صلي عليك من أمتك صلاة كتب الله بها عشر حسنات، ومحا عنه عشر سيئات، ورفع له عشر درجات، ورد عليه مثلها." (مسند احمد (۴/۲۹)

ترجمہ: "حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ ایک روز صبح کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت ہشاش بشاش تھی، آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی و انبساط کی کیفیت نمایاں

تھی، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ آپ آج تو کافی خوش نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اللہ جل شانہ کے پاس سے فرشتہ یہ پیغام لیکر حاضر ہوا ہے کہ جو مجھ پر میری امت میں سے ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کے نامئہ اعمال میں دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ اس کے مٹا دینگے اور اس کے دس درجے بلند فرمائیں گے، اور اس پر بھی ایسے ہی رحمتیں نازل فرمائیں گے جیسے اس نے درود وسلام پیش کیا۔"

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سرورِ دو عالم ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام کی اس بشارت سے غیر معمولی خوشی ہوئی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کس قدر محبت وشفقت تھی اور آپ ﷺ ہمیشہ اپنی امت کے لئے فکرمند رہتے تھے۔

فضیلت

رسول اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اتاری اس کی طرف باطل کسی بھی رخ سے نہیں آسکتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾﴾

[سورۂ حم سجدہ: ۴۳]

ترجمہ: "اس کے پاس باطل نہیں آتا آگے سے نہ پیچھے سے اور وہ اتاری ہوئی ہے حکمت والے کی طرف سے جو ستودہ اوصاف ہے۔"

تفسیر: یہ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر جو نازل فرمایا اس کی طرف کسی بھی پہلو کسی بھی جہت سے باطل کے آنے کا احتمال نہیں یہ سراپا حق ہی حق ہے کیونکہ اس کو اتارنے والا اللہ ہے جو حکمت والا ہے اور اپنی ذات اور صفات میں محمود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آوں گا کھولنے کا مطالبہ کروں گا اس پر دربان کہے گا آپ کون ہیں میں کہوں گا محمد (ﷺ) اس پر وہ عرض کرے گا آپ (ﷺ) ہی کے لئے (دروازہ کھولنے کا) مجھے حکم دیا گیا ہے آپ (ﷺ) سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولوں گا۔

(رواہ مسلم من حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فضیلت

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کو تسلی دینا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾﴾

[سورۂ حم سجدہ: ۴۳]

ترجمہ: ”آپ سے نہیں کہا جاتا مگر وہ ہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لئے کہا گیا بے شک آپکا رب مغفرت والا ہے اور درد ناک عذاب والا ہے۔“

تفسیر: اس آیت میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو تسلی دی ہے، مطلب یہ کہ آپ کے بارے میں جو کافر لوگ معاندانہ طریقہ پر کچھ کہتے ہیں جس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں آپ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے بارے میں بھی ایسی باتیں کہی گئیں ہیں۔ ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ﴾ ”بلاشبہ آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے۔“ ﴿وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ﴾ ”اور درد ناک عذاب والا ہے۔“ آپ ﷺ کے مخالفین اگر اپنی حرکتوں سے باز آگئے اور ایمان قبول کرلیا تو دیگر اہل ایمان کے ساتھ ان کی بھی مغفرت ہو جائے گی اور ان لوگوں نے توبہ نہ کی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ایمان قبول نہ کیا تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ کی شہادت کہ بے شک آپ ﷺ لوگوں کو سیدھی راہ دکھلاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ

مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٣﴾﴾

[الشوریٰ: ۵۲-۵۳]

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن کی وحی کی، آپ (ﷺ) نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان؟ اور لیکن ہم نے اسے نور فرمادیا ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ (ﷺ) صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے خبر دار اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔“

فضیلت

جنات کی جماعت کا سرورِ دو جہاں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سننا اور ایمان لانا

اللہ ربُّ العزت کا ارشادِ عالی ہے:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا۟ يَـٰقَوْمَنَآ إِنَّا سَمِعْنَا
كِتَـٰبًا أُنزِلَ مِنۢ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِىٓ إِلَى ٱلْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٠﴾ يَـٰقَوْمَنَآ
أَجِيبُوا۟ دَاعِىَ ٱللَّهِ وَءَامِنُوا۟ بِهِۦ يَغْفِرْ لَكُم مِّن
ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣١﴾ وَمَن لَّا يُجِبْ
دَاعِىَ ٱللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُۥ مِن
دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءُ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ فِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٢﴾»

[الاحقاف: ۲۹-۳۲]

ترجمہ: "اور جب ہم نے آپ ﷺ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے، سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے، کہنے لگے اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے، اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو، اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں ہے، اور

اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی نہ ہوگا، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔"

تفسیر: امام الانبیاء آنحضرت ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ نے جنات کو حاضر فرمایا تاکہ قوم جنات بھی ایمان سے مشرف یاب ہو جائے، چونکہ رسول اللہ ﷺ رسول الثقلین تھے یعنی آپ ﷺ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی، چنانچہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں جنات کا آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کی تفاصیل مذکور ہے، علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے، اور انھیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی، محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں۔

حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا، معالم التنزیل (۱/۱۷۴) میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں، انھیں ایمان لانے کی دعوت دیں، اور قرآن سنائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا، آپ تشریف لے جانے لگے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ چلے گئے، یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلی کے علاقہ کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرما دی، اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا، آپ ﷺ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، آپ ﷺ کے آس

پاس گدھوں جیسی چیزیں جمع ہو گئیں، اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں، یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کی جان کا خطرہ ہو گیا، آپ ﷺ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فارغ ہو کر فجر کے بعد تشریف لائے، اور فرمایا کیا تمہیں نیند آگئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آرہا تھا، بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ ﷺ کا حال معلوم کریں، فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا، پھر فرمایا، کیا تم نے کچھ دیکھا؟ عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجئے، لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کر دی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں، اس پر گوشت ملے گا، جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا، اور جو بھی لید پائیں گے، انھیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے سخت آوازیں سنیں، یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہو گیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، وہ میرے پاس فیصلہ کرانے آئے تھے، میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ (منقول از تفسیر انوار البیان)

جنات کی جماعت کا ایمان لانا ایک ایسے وقت میں پیش آیا تھا جب سرور

کونین ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے تھے اور آپ ﷺ کی ذات عالی پر طائف کے سرداروں کی بے رخی بلکہ بد تمیزی اور ایذارسانی کا شدید حزن وملال تھا، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دلداری فرمائی کہ یہ انسان ایمان نہیں لارہے ہیں تو آپ ﷺ کبیدہ خاطر نہ ہوں ہم جنات کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں وہ آپ کی دعوت نہ صرف یہ کہ قبول کریں گے بلکہ اس دعوت کے داعی بن کر واپس ہوں گے۔

جنات کی جماعت کے ایمان لانے کے بعد سفر معراج پیش آیا تھا اسراء و معراج بھی آنحضرت ﷺ کے مقام عالی اور مرتبہ کی بلندی پر واضح دلالت کرتا ہے۔

(دیکھئے تفسیر بغوی (۷/۲۶۵)، وتاریخ ابن ہشام (۱/۴۱۹)، تاریخ طبری (۲/۳۴۴))

❁ فضیلت ❁

جو لوگ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے وہ لوگ ہدایت پر ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ
﴿١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا
نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ

وَأَنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّبَعُواْ ٱلْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَٰلَهُمْ ﴿٣﴾ [سورۂ محمد (ﷺ): ۱-۳]

ترجمہ: ”جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع فرمادیا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے امر واقعی ہے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور ان کے حال کو درست فرمادے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا اور بے شک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے رب کی طرف سے ہے اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے ان کے احوال بیان فرماتا ہے۔“

فضیلت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت للعالمین ﷺ کے لئے عظیم خوشخبریوں کا اعلان

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ ٱللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾﴾ [الفتح: ۱-۳]

ترجمہ: ”بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی، تاکہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے، اور آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کردے، اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے، اور اللہ آپ ﷺ کی ایسی مدد فرمائے گا جو زبردست ہو۔“

(انوار البیان)

تفسیر: صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں کفارانِ مکہ سے صلح فرمالی، صلح نامہ بظاہر ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلح مسلمانوں نے دب کر کی ہے، اس لئے بہت سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دل ہی دل میں حزین و غمگین تھے، اور غمگین بھی کیوں نہ ہوتے آخر کئی سو کیلو میٹر کا سفر طے کرکے حدیبیہ جو مکہ مکرمہ سے قریب ہی ہے، وہاں تک پہنچ چکے تھے، اور اچانک مکہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے تو اس پر جتنا بھی حزن وملال ہو کم ہے، لیکن حضرات صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے تھے، اس لئے ان حضرات نے اس صلح کو قبول کرلیا، اور واپس مدینہ منورہ ہونے لگے، اسی واپسی میں سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کریمات نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو یہ جو صلح ہوئی ہے اس کو دب کر صلح مت سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارے لئے کھلی ہوئی فتح ہے۔

آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پانچ خوشخبریاں ہیں ① فتح مبین حاصل ہونا ② غفران الذنوب یعنی اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت ③ اتمام نعمت ④ ہدایت برائے استقامت ⑤ زبردست مدد۔

آیت کریمہ میں جو گناہوں کی معافی کا بیان ہے وہ باجماع امت

گناہِ حقیقی اور واقعی مراد نہیں ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے مراد بعض وہ امور ہیں جن میں خطاء اجتہادی ہو گئی، اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو متنبہ فرمادیا، جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے میں آپ نے فدیہ لینے والوں کی رائے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ بعض منافقین نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی، یا جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ اس وقت نہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہر ہو گیا کیونکہ اس وقت آپ ﷺ کافروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے وغیرہ وغیرہ ..... اس کے باوجود اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمادیا کہ ہم نے سب کچھ معاف فرمادیا، اور ساتھ ہی اپنی نعمت کے اتمام کی خوشخبری بھی سنادی، نیز گناہوں کی مغفرت سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ ہو گا کیونکہ آپ ﷺ سید البشر ہیں، اور اولین وآخرین انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، اور یہ کرامت وفضیلت ایسی ہے کہ کسی کو بھی عطا نہیں کی گئی، جس کا خاص طور پر ظہور قیامت کے روز شفاعت عظمیٰ کی صورت میں ہو گا، جبکہ تمام پیغمبر نفسی نفسی کہتے ہوں گے، اور ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی امر پر مواخذہ کا اندیشہ ہو گا، اگرچہ وہ تقصیر نہ تو گناہ ہوگی اور نہ کسی امر خداوندی کی خلاف ورزی، اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، شفاعت والی حدیث مبارک میں ہے کہ جب اہل محشر روزِ حشر کی شدت سے گھبرا کر اول حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور پہلے رسول اور نبی ہیں اور ہمارے باپ ہیں تاکہ وہ ہمارے

لئے شفاعت کردیں، تو حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کی بناپر جو بھولے سے سرزد ہو گئی تھی معذرت کریں گے، اور فرمائیں گے "لست لھا" میں اس مقام اور مرتبہ کے لائق نہیں، بالآخر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں یہ درخواست لے کر جائیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام اول تو یہی عذر کریں گے، "لست لھا" کہ میں بھی مقام شفاعت میں کھڑے ہونے کا اہل نہیں اور بعد از اہل محشر کو یہ مشورہ دیں گے "ولکن ائتوا محمداً (ﷺ) عبداً غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر" "لیکن تم سب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی اور پچھلی تمام تقصیرات کو اللہ نے معاف کردیا ہے، یعنی یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ ان سے کسی تقصیر پر کوئی سوال اور مواخذہ ہو، لہٰذا تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرو۔ (صحیح بخاری) (1)

اتق شر من احسنت الیہ

(1) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں بنی آدم کا سردار ہوں گا۔ اور میں پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نمودار ہو گا۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں گا۔
اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں بنی آدم کا قیامت کے دن سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور میں پہلا شخص ہوں گا جو زمین سے نمودار ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول انور ﷺ کو شاہد مبشر و نذیر بنا کر بھیجا اور ان کی توقیر کرنے کا حکم فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٩﴾ [الفتح: ۸-۹]

ترجمہ: ”بلاشبہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو۔“

تفسیر: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اور (شاہد ہونا) دوسرے (مبشر ہونا) تیسرے (نذیر ہونا) عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۃ البقرہ ﴿وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ اور سورۃ الحج ﴿لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ﴾ میں بیان فرمایا دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی

ڈرانے والے ہیں، تبشیر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام تھا خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا اور احادیث شریفہ میں آپ ﷺ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا ﴿لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٩﴾ [الفتح: ۹] کہ ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو عقیدہ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں بھی لگے رہو۔

فضیلت

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرنا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دے کر آنحضرت ﷺ کے مقام و عظمت کو بلند فرمایا، اور یہی نہیں بلکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں جانباز وجانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰]

ترجمہ: "بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔"

فضیلت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کے لئے ایسی جنت کی بشارت جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَّيْسَ عَلَى ٱلْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى ٱلْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى ٱلْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾﴾ [الفتح: ۱۷]

ترجمہ: "نابینا پر کوئی گناہ نہیں، اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں اور بیمار پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے وہ اسے دردناک عذاب دے گا۔"

تفسیر: اس آیت میں پہلے تو یہ بیان فرمایا کہ معذورین کے جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں پھر اس آیت میں قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کریگا یعنی ہٹے گا اسے دردناک عذاب دے گا۔

فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان رضا اور مزید انعامات

پھر اسی سورت میں چند آیات کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿لَّقَدْ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾﴾ [الفتح: ۱۸]

ترجمہ: "بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جب وہ

آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

تفسیر: جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام تھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آجانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضا بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے، بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ سے جو بیعت کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں، جو آپ ﷺ کی فرماں برداری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں اری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آجاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کا بھی، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے چنانچہ سورۂ نساء میں واضح ارشاد فرمایا: ﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

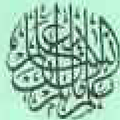
فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کا خواب سچا کر دکھلایا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿٢٧﴾﴾ [الفتح: ۲۷]

ترجمہ: "بیشک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے، انشاء اللہ تم ضرور ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوں گے اپنے سروں کو مونڈنے والے ہوں گے اور اپنے بالوں کو کتروانے والے ہوں گے تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا، سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا، سو اس سے پہلے عنقریب ہی ایک فتح نصیب فرمادی۔"



فضیلت

اللہ تعالیٰ شانہ کی گواہی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٨﴾ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ﴾ [الفتح: ۲۸-۲۹]

ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

تفسیر: نبی آخر الزمان سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ ﷺ کی رسالت کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی پاک کتاب میں بیان فرمایا ہے، جیسا آیت بالا سے معلوم ہوا، لہٰذا کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس بات کا اقرار نہ کرلے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

بہت سے لوگ ہیں جو توحید کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ کو خالق اور مالک اور رازق سب ہی کچھ مانتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ وہی ایک ذات ہے جو ساری کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اور سب کچھ اُسی ایک ذات کے اختیار میں

ہے، مارنا جلانا، موت وزندگی غرض ہر ایک چیز اُسی ایک ذات کے اختیار میں ہے لیکن محمد ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول نہیں مانتے ایسے لوگ یا ایسی قومیں ہرگز مومن نہیں ہو سکتیں، لہٰذا ہر شخص کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ آخرت میں نجات کے لئے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ماننا ضروری ہے اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، آپ ﷺ کی رسالت کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُۥ﴾ (سورۂ منافقون: ۱) اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔

فضیلت

رسول اکرم ﷺ کی برکت سے قرآن کریم میں صحابہ کی تعریف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَىٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَٰنًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَىٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ [الفتح: ۲۹]

ترجمہ: ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجود میں ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کو تلاش کرتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں، ان کی یہ مثال توریت میں ہے، اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ جیسے کھیت ہو اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسے قوی کیا پھر وہ کھیتی موٹی ہو گئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگیں تاکہ اللہ ان کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔“

فضیلت

آنحضرت ﷺ کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے آداب کا بیان

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ

النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾﴾

[الحجرات: ۲]

ترجمہ: ”اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ نبی سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضری کے آداب بیان فرمائے ہیں، ان آداب سے آپ ﷺ کے مقام بلند کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں سورۂ حجرات کی ابتدائی چند آیات نازل ہوئیں جن میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے آداب بیان فرمائے۔

سورۂ نور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ [النور: ۶۳]

ترجمہ: ”تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔“

مطلب یہ کہ رسول ﷺ کو پکارنا آپس کے عام آدمیوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہیں ہونا چاہئے، یعنی تم عام آدمیوں کو جس طرح ان کا نام لے کر بآواز بلند پکارتے ہو، اس طرح رسول اللہ ﷺ کو نہ پکارا

کرو، اس معاملہ میں آپ ﷺ کا انتہائی ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے، ذرا سی بے ادبی بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ سے نہ بچ سکے گی۔

فضیلت

آنحضرت ﷺ کو دور سے پکارنے والے عقل نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا۟ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾﴾ [الحجرات: ۴-۵]

ترجمہ: بیشک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

تفسیر: نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں، کھجوروں ٹہنیوں سے فرمادی گئیں تھیں۔

اس آیت کریمہ کے سبب نزول میں صاحب معالم التنزیل نے کئی واقعے لکھے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان

ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ آج اس شخص کے پاس چلیں جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اگر وہ واقعی نبی ہیں تو ہمیں سب لوگوں سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لاکر سعادت مند ہونا چاہیئے، اور اگر وہ نبی نہیں ہیں بلکہ انہیں بادشاہت ملنے والی ہے تو ہمیں ان کے زیر سایہ زندگی گزارنی چاہیئے (بہرحال ان سے تعلق قائم کرنے میں فائدہ ہے) اس کے بعد حاضر ہوئے تو یا محمد یا محمد کہہ کر آوازیں دینے لگے۔ جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ قبیلہ بنی عنبر کے آدمی دوپہر کے وقت آئے تھے انھوں نے پکارا یا محمد ﷺ اخرج الینا (اے محمد ﷺ ہماری طرف نکلئے) دوپہر کا وقت تھا آپ ﷺ آرام فرمارہے تھے، ان لوگوں کی چیخ، پکار سے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ (۱)

فضیلت

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آواز پست رکھتے ہیں ان کے قلوب خالص تقوے والے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَٰتَهُمْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ

---

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن تمام انبیاء (علیہم السلام) کی امتوں سے زیادہ میرے امتی ہوں گے اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، جو جنت کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گا۔ (رواہ مسلم کتاب الایمان)

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمۡتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمۡ لِلتَّقۡوَىٰۚ لَهُم
مَّغۡفِرَةٞ وَأَجۡرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ [الحجرات: ۳]

ترجمہ: "بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے، ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔"

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص رازداری کی باتیں کررہا ہو، اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ جب یہ آیتیں نازل ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی آہستہ بات فرماتے تھے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال فرماتے کہ کیا کہا؟

حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا حرام ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا کرنا حرام تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں برزخی حیات حاصل ہے، صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: "الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون" یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں حیات ہیں نماز پڑھتے ہیں (رواہ ابو یعلی باسناد صحیح)، لہٰذا جب صلاۃ

وسلام پیش کرے تو دھیمی آواز میں سلام پیش کرے۔

فضیلت

معراج کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی

اللہ رب العزت والجلال کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَٱلنَّجۡمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوَىٰ
﴿٢﴾ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ
﴿٤﴾ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلۡقُوَىٰ ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٖ فَٱسۡتَوَىٰ ﴿٦﴾
وَهُوَ بِٱلۡأُفُقِ ٱلۡأَعۡلَىٰ ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ فَكَانَ
قَابَ قَوۡسَيۡنِ أَوۡ أَدۡنَىٰ ﴿٩﴾ فَأَوۡحَىٰٓ إِلَىٰ عَبۡدِهِۦ مَآ أَوۡحَىٰ
﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ ٱلۡفُؤَادُ مَا رَأَىٰٓ ﴿١١﴾ أَفَتُمَٰرُونَهُۥ عَلَىٰ مَا
يَرَىٰ ﴿١٢﴾ وَلَقَدۡ رَءَاهُ نَزۡلَةً أُخۡرَىٰ ﴿١٣﴾ عِندَ سِدۡرَةِ
ٱلۡمُنتَهَىٰ ﴿١٤﴾ عِندَهَا جَنَّةُ ٱلۡمَأۡوَىٰٓ ﴿١٥﴾ إِذۡ يَغۡشَى ٱلسِّدۡرَةَ
مَا يَغۡشَىٰ ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ ٱلۡبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٧﴾ لَقَدۡ رَأَىٰ مِنۡ
ءَايَٰتِ رَبِّهِ ٱلۡكُبۡرَىٰٓ ﴿١٨﴾﴾ [النجم: ۱-۱۸]

ترجمہ: "قسم ہے ستاروں کی جب وہ غروب ہونے لگے تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا۔ وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی

ہے، اس کو سکھایا ہے بڑے طاقت والے نے، وہ طاقتور ہے، پھر وہ اصلی صورت میں نمودار ہوا، اور وہ بلند کنارہ پر ☆ پھر وہ اس حال میں تھا کہ دونوں کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، پھر اللہ نے اپنے بندہ کی طرف وحی نازل فرمائی جو نازل کرنی تھی، دل نے جو کچھ دیکھا اس میں غلطی نہیں کی، کیا تم اس چیز میں جھگڑتے ہو جو کچھ اس نے دیکھا اور یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اس کو ایک بار اور دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔"

اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو وہ چیزیں ڈھانپ رہی تھیں جنہوں نے ڈھانپ رکھا تھا، نہ تو نگاہ ہٹی نہ بڑھی یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی آیات کو دیکھا۔

تفسیر: سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت کیا گیا اور آپ ﷺ کے ہر قول وعمل کو وحی الٰہی اور اس کا حجت اور نمونۂ ہدایت ہونا ذکر کیا گیا ہے اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ایسا مقام وعصمت وحفاظت کا عطا کیا گیا ہے کہ راہ حق سے بلا ارادہ بھی انحراف اور لغزش کا احتمال نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ بغیر اس مقام وعصمت کے وہ ذات ہادیٔ عالم کیوں کر بنائی جا سکتی تھی اس لئے عصمت کا لازمۂ نبوت ہونا عقلاً بھی ثابت ہو۔

(تکملہ تفسیر معارف القرآن از مولانا مالک بن مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہما)

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر انوار البیان میں لکھتے ہیں آیت شریفہ میں جو (النجم) میں وارد ہوا ہے بظاہر یہ صیغہ مفرد کا ہے لیکن چونکہ اسم جمع ہے اس لئے تمام ستارے مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ثریا مراد

ہے جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے ستارے چونکہ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَعَلَٰمَٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝١٦﴾ [النحل: ١٦] اس لئے اس کی قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت اور وحی کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں قلوب کے منور ہونے کا ذریعہ ہیں رسول ﷺ تو کبھی بھی مشرک نہ تھے نبوت سے پہلے بھی موحد تھے اور نبوت کے بعد بھی آپ کا موحد ہونا توحید کی دعوت دینا قریش کو ناگوار تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں اور آپ ﷺ کو کاہن یا ساحر یا شاعر کہتے تھے ستارہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد ﷺ جو کچھ بتاتے ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں وہ سب حق ہے۔ ان کے بارے میں یہ سب خیال نہ کرو کہ وہ راہ سے بھٹک گئے اور غیر راہ پر پڑ گئے ان کا دعوائے نبوت اور توحید کی دعوت اور وہ تمام امور جن کی دعوت دیتے ہیں یہ سب حق ہیں سراپا ہدایت ہیں ان میں کہیں سے کہیں تک بھی راہ حق سے ہٹنے کا نہ کوئی احتمال ہے اور نہ یہ بات ہے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر کہیں ہوں ان کا سب باتیں بتانا صرف وحی سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر وحی کی گئی اسی کے مطابق سب باتیں بتا رہے ہیں ان کا فرمانا سب سچ ہے جو انھیں اللہ کی طرف سے بطریق وحی بتایا گیا ہے اور چونکہ ستاروں کے غروب ہونے سے صحیح سمت معلوم ہو جاتی ہے اس لئے ﴿وَالنَّجْمِ﴾ کے ساتھ ﴿إِذَا هَوَىٰ﴾ بھی فرمایا یعنی جس طرح ستارہ ہدایت بھی دیتا ہے اور صحیح سمت بھی بتاتا ہے اسی طرح تمہارے ساتھی یعنی محمد ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور سمجھایا حق ہے اور راہ حق کے مطابق ان کا اتباع کرو گے تو صحیح سمت پر چلتے رہو گے تم بچپن سے ان کو جانتے ہو اور ان کے اعمال صادقہ

اور احوال شریفہ سے واقف ہو ہمیشہ اس نے سچ بولا ہے جانتے پہچانتے ہوئے ان کی تکذیب کیوں کرتے ہو (جس نے مخلوق سے کبھی جھوٹی باتیں نہیں کیں وہ خالق تعالیٰ شانہ پر کیسے تہمت رکھے گا)۔

تو ابتداء میں آپ کی شان رسالت بیان کرتے ہوئے اصل مقصد یعنی شب معراج میں آیاتِ کبریٰ اور قدرت کے عظیم نشانیوں کے مشاہد کا مضمون شروع فرمایا گیا پہلی اور دوسری آیت میں تو ستارے کے غروب کی قسم کھا کر یہ اعلان فرمایا کہ ﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴾ اور اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کی عصمت و حفاظت ظاہر فرمائی گئی اور یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر لغزش اور گمراہی سے محفوظ فرمایا ہے پھر تیسری اور چوتھی آیت میں آپ ﷺ کے ہر نطق کی خواہشاتِ نفس سے پاکی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ وحی الٰہی ہیں اور شریعت میں جو درجہ وحی الٰہی میں قرآن کریم کا ہے وہی درجہ آپ ﷺ کے فرمانِ مبارک کا ہے اور اس سے ذرہ برابر انحراف کرنے کی کسی بھی مومن کو اجازت نہیں ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا آیۃ شان رسالت کی اس تحقیق و حجیت اقوال رسول ﷺ کے بعد پانچویں آیت ﴿ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ﴾ سے وحی الٰہی لانے والے قاصد فرشتہ کی قوت و عظمت بیان کی گئی ہے کہ وہ قاصد پیغاماتِ خداوندی پہنچانے میں نہ مرعوب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی طاقت اور زور اس کو مغلوب کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود ہی ایسے مضبوط قوی اور زور والا ہے اسی کے ساتھ ظاہر حسن و جمال اور وقار بھی پیکر ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر میں ذومرۃ مشہور مفسر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہٰذا معلوم ہو گیا کہ رسول ﷺ پر وحی لانے والا قاصد بھی کسی تقصیر و غلطی کا شکار نہیں ہو سکتا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے

اس قاصد کو خوب اچھی طرح پہچانا اس کو اور نہایت قریب سے بھی دیکھا کہ پہلے افق اعلیٰ پر نمایاں ہوا پھر اور قریب ہوا اور افق سماء کی بلندی سے نیچے کی طرف نزول کیا اور اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور آنکھ کے مشاہدہ کی دل تصدیق کرنے لگا تو ایسی قوتوں والے قاصد نے اس قرب کے بعد جو پیغام دیا اور پہنچایا وہ یقیناً ہر طرح حجت ہے، ایک مرتبہ کی رؤیت کے بعد دوسری مرتبہ کی رؤیت ﴿ وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ ﴾ سے بیان فرمائی گئی اس دوسری رؤیت کا محل و مقام ساتواں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تھا جس کا مشاہدہ آپ ﷺ نے شب معراج میں فرمایا تو اس طرح ان ابتدائی مضامین کے بعد شب معراج کے احوال کی طرف کلام منتقل ہوا اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہونا اور سدرۃ المنتہیٰ پر تجلیات کے برسنے کا ذکر فرمایا گیا اور یہ کہ وہاں آپ ﷺ نے اپنے رب کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔

روایات صحیحہ سے یہ تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں جس پر ان کو پیدا کیا گیا دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جبکہ غار حرا میں وحی نازل ہو چکنے کے بعد سلسلۂ وحی رک گیا تھا اور وحی کے شوق و انتظار میں بے چین ہو کر باہر میدانوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تو اس زمانے میں ایک مرتبہ دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان اپنی عظیم جسامت سے افق سما کو گھیرے ہوئے ہیں اس عظیم الشان فرشتہ کو دیکھ کر آپ پر رعب اور کپکپی طاری ہو گئی آپ گھر لوٹے اور فرمایا دثرونی دثرونی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا دوسری مرتبہ جبریل امین کو اصلی صورت میں شب معراج میں دیکھا جس کا ذکر ﴿ وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ عِندَ سِدْرَةِ ٱلْمُنتَهَىٰ ﴾ میں ہے اور اس رویت کو جبریل رویت اور انہیں کے قرب اور تدلی پر محمول کرنے

والے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بھی بعض ائمہ محدثین اسی کے مطابق قرار دیتے ہیں۔

تو اس طرح رویت جبریل ایک مرتبہ زمین پر ہوئی اور ایک مرتبہ ملکوت سماوات پر سدرۃ المنتہی کے قریب۔ ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قرب جبریل علیہ السلام کا تھا اور ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ﴾ کے بھی معنی یہ بیان کئے کہ جبریل نے وحی کی اللہ کے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی وحی کی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: دوسری بار جبریل کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا۔

٭ فضیلت ٭

شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہونا

اس مسئلہ میں اختلاف ہے جمہور علماء کرام کی یہ تحقیق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔

"فالحاصل أن الراجح عند أكثر العلماء أن رسول الله صلي الله عليه وسلم رأى ربه بعيني رأسه ليلة الإسراء، لحديث ابن عباس وغيره مما تقدم وإثبات هذا ألا يأخذونه إلا بالسماع من رسول الله صلي الله عليه

وسلم هذا مما لا ينبغي أن يتشكك فيه."

ترجمہ: "مطلب یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کا سر کی آنکھوں سے دیدار کیا ہے اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی احادیث ہیں اور چونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی لازماً ان حضرات نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی اس لئے اس میں شک کرنا مناسب نہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب جل جلالہ کا دیدار کیا ہے اور حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ جو مشہور مفسر ہیں قسم کھا کر کہتے تھے اور حضرت عروۃ بن زبیر بھی دیدار کے قائل تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تمام اصحاب کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت کعب بن احبار، زہری اور معمر اور دیگر اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں

قال بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "اتعجبون ان تكون الخلة لابراهيم والكلام لموسى والرؤية لمحمد صلي الله عليه وسلم"۔

یہ دیدار دل کی آنکھوں سے ہوا یا سر کی آنکھوں سے اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (رآہ بفؤادہ مرتین کما رواہ مسلم)

سدرۃ کیا ہے؟

سدرۃ: عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور المنتہی کے معنے ہیں انتہا

کی جگہ عالم بالا میں جنۃ الماوی کے قریب سدرۃ المنتہی ہے یعنی بیری کا وہ درخت جس کے پاس چیزیں آکر منتہی ہو جاتی ہیں یعنی ٹھہر جاتی ہیں۔ زمین سے جو کچھ اعمال وغیرہ اوپر جاتے ہیں وہ پہلے وہاں ٹھہرتے ہیں پھر اوپر جاتے ہیں اوپر سے جو کچھ نازل ہوتا ہے پہلے وہاں ٹھہرایا جاتا ہے پھر نیچے اترتا ہے۔ حدیث شریف کی کتابوں میں معراج شریف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں سدرۃ المنتہی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے صاحب معراج ﷺ کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہی کی طرف لے جایا گیا۔ دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے کہ حجر بستی کے مشکیزے ہوتے ہیں اور اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے کہ ہاتھی کے کان، اس درخت کو سونے کے پتنگوں نے ڈانپ رکھا تھا دوسری روایت میں ہے کہ اسے ایسے الوان (یعنی رنگوں) نے ڈھانپ رکھا تھا جنھیں میں نہیں جانتا اور ایک روایت ہے کہ جب سدرۃ المنتہی کو اللہ کے حکم سے ان چیزوں نے ڈانپ لیا جنھوں نے ڈانپا تو وہ بدل گیا (یعنی پہلی حالت نہ رہی) اس میں بہت زیادہ حسن آگیا اس وقت اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حکم کو بیان نہیں کرسکتا چونکہ اس کے حسن اور سونے کے پتنگوں اور الوانوں کے ڈھانپنے کی وجہ سے اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی اس لئے تفخیماً لشان ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝١٦﴾ فرمایا۔

فضیلت

آنحضرت ﷺ کے دعا فرمانے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی حقانیت واضح کرنے کے لئے آپ ﷺ کے ذریعہ بہت سے معجزات ظاہر فرمائے، انھیں میں سے ایک بڑا معجزہ شق القمر کا بھی ہے جس کا ذکر سورۂ قمر کی ابتدائی آیت کریمہ میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ۝١﴾ [القمر:۱]

ترجمہ: "قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا۔"

تفسیر: رسول اکرم ﷺ نے جب اہل مکہ کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو انھوں نے کہا کہ ہمیں اپنی نبوت کی دلیل پر کوئی نشانی دکھائی، آنحضرت ﷺ نے چاند کو اشارہ کیا وہ دو ٹکڑے ہو گیا، یہ حدیث شریف صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انھیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھادیں، لہٰذا آپ ﷺ نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھادیا۔ (صحیح بخاری ج ۲/ص ۲۲)

بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے آگیا آپ ﷺ نے فرمایا حاضر ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری ص ۲۱ ج ۲)

تفسیر معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ شق القمر کے وقت قریش نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کردیا ہے، پھر جب باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے، جب مسافروں سے تصدیق ہوگئی تو ان میں بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کردیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کیا۔ (انوار البیان)

سورۂ قمر میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ بیان کئے گئے ہیں جن میں شق القمر کا واقعہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی ہے تو دوسری جانب رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت کرنے کے لئے ایک ایسی دلیل ہے جس کا کوئی صاحب عقل انسان انکار نہیں کرسکتا اور حتیٰ کہ وہ ایک تاریخی حقیقت بن گئی جس میں کسی طرح کا تردد اور تامل کا امکان نہیں رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ چاند ایسے دو ٹکڑے ہوا کہ ایک ٹکڑا مغرب کی طرف تھا اور دوسرا مشرق کی طرف۔

معجزۂ شق القمر کا وقوع قرآن کریم احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے، ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی اور احادیث رسول ﷺ اور مشاہدہ سے ہوچکا ہو اس کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا خلاف عقل ہے، اس پر بلا تردد ایمان لانا لازم ہے، جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت و جہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال قبل ایک

مرتبہ کچھ مشرکین مکہ جمع ہوکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، جن میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، زمعہ بن الاسود، نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے، آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھلاؤ، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلادوں تو ایمان بھی لے آؤ گے، لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے، حضور اقدس ﷺ نے حق تعالیٰ سے دعا کی جس کے بعد چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل ابی قیقعان پر تھا، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے، حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے، اور حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرمارہے تھے: اشہدوا اشہدوا۔ اے لوگو! گواہ رہو، گواہ رہو۔

مشرکین مکہ نے کہا کہ: محمد ﷺ نے تمام لوگوں پر جادو کردیا ہے، بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد ﷺ تمام لوگوں پر جادو کردیں، اگر وہ بھی اسی طرح کا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد ﷺ نے تم پر سحر کیا ہے، چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ

یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(شق القمر کے واقعہ کی تفصیلات ہم نے ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی البدایہ والنہایہ اور ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی فتح الباری سے لی ہیں) (تفسیر معارف القرآن/از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) [1]

❊ فضیلت ❊

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مخالفت کرنے والے ذلیل ہوں گے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحَآدُّونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ كُبِتُوا۟ كَمَا كُبِتَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنزَلْنَآ ءَايَـٰتٍۭ بَيِّنَـٰتٍ ۚ وَلِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٥﴾ [المجادلۃ: ۵]

ترجمہ: ”بلا شبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

(۱) حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی جو مجھ سے پہلے (انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام) میں سے کسی کو عطا نہیں کی گئی: میری مدد کی گئی رعب کے ذریعہ کہ ایک مہینہ کی مسافت کی دوری تک، اور زمین کو میرے لئے مسجد بنا دیا گیا اور پاکی حاصل کرنے کی چیز بنا دیا گیا، پس میرے امتی میں سے کسی کو نماز کا وقت آ پہنچے پس چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے، اور اموال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا، اور مجھے مقام شفاعت عطا کیا گیا، اور ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ (رواہ البخاری)

کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جیسے وہ لوگ ذلیل ہوئے جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔“

تفسیر: ان آیات میں کافروں کا دنیا میں ذلیل ہونا اور آخرت میں ذلت کے عذاب میں مبتلا ہونا بیان فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی مخالفت کرتے ہیں (جیسے کفار مکہ تھے) وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے جیسے کہ ان سے پہلے لوگ ذلیل ہو چکے ہیں، چنانچہ غزوات میں کفار مکہ اور ان کے ساتھی ذلیل ہونے کا سبب بھی بتا دیا (وہ یہ کہ ہم نے کھلی کھلی واضح آیات اتاریں) انھوں نے تسلیم نہ کیا لہٰذا مستحق سزا ہوئے، دنیا میں تو انھوں نے ذلت کا منہ دیکھ ہی لیا، آخرت میں بھی ان کو ذلت کا عذاب ہو گا۔ ﴿وَلِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾۔

آگے چل کر اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحَآدُّونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ أُو۟لَـٰٓئِكَ فِى ٱلْأَذَلِّينَ ۝٢٠﴾ [المجادلۃ: ۲۰]

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں یہ لوگ بڑی ذلت والوں میں ہیں۔“

❊ فضیلت ❊

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ نے مال فیء میں مالکانہ حقوق دے کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اکرام فرمایا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَمَآ أَفَآءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُۥ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦﴾﴾[الحشر:٦]

ترجمہ: ”اور جو کچھ مال فیٔ اُن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دلوادیا، سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ دوڑائے اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرمادیتا ہے۔“

تفسیر: لفظ فیٔ، فاء سے باب افعال کا صیغہ ہے لوٹا اُفاء لوٹایا، چونکہ کافروں کا مال مسلمانوں کو مل جاتا ہے اور ان کی املاک ختم ہو کر مسلمانوں کے ملک میں آجاتی ہیں، اس لئے جو مال جنگ کئے بغیر بطور صلح مل جائے، اس کو فیٔ کہتے ہیں اور جو مال جنگ کر کے ملے اس مال کو غنیمت کہتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مالِ فیٔ پر رسول اللہ ﷺ کو مالکانہ اختیار حاصل تھا، پھر ان کے جو مصارف بیان فرمائے ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے مالکوں کو اموال کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ پر خرچ کرو۔

بنو نضیر کے مال بطور صلح مل گئے اور اس میں کوئی جنگ لڑنی نہیں پڑی تھی اس لئے ان اموال میں کسی کو کوئی حصہ کا استحقاق نہیں تھا، بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں یہ بات آئی کہ ہمیں ان اموال میں سے حصہ دیا جائے، اس وسوسہ کو دفع فرما دیا، اور فرمایا ﴿فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ﴾ کہ تم نے اس میں گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے،

یعنی تمہیں اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑی اور کوئی جنگ نہیں لڑنی پڑی، یعنی پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو جس پر چاہا مسلط فرمادیا اور اب محمد رسول اللہ ﷺ کو بنو نضیر پر مسلط فرمادیا، لہٰذا ان اموال کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہی ہے۔ (انوار البیان)

فضیلت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض فرمائی اور آپ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اطاعت امت پر فرض فرمائی ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس چیز کو بیان فرمایا ہے سورۂ حشر کی درج ذیل آیت میں بھی اسی حکم کو واضح فرمایا ارشاد عالی ہے:

﴿مَّآ أَفَآءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَٰمَىٰ وَالْمَسَٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ ۚ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٧﴾﴾[الحشر:٧]

ترجمہ: ”اللہ نے جو کچھ اپنے رسول کو بستیوں میں رہنے والوں سے بطور فیٔ مال دلوایا سو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے

لئے ہے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے تاکہ یہ مال لوگوں کے درمیان دولت بن کر نہ رہ جائے جو مالدار ہیں اور رسول جو تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔"

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہ واضح کردیا گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر امر و نہی قرآن مجید میں موجود ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن مجید میں احکام و مسائل بیان فرمائے ہیں، اور بہت سے احکام اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ بھی بتلائے ہیں، ان میں آنحضرت ﷺ کے اعمال بھی ہیں، اور اقوال اور تقریر ے بھی، اسی بات کو سورۂ اعراف کی ایک آیت میں رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرماتے ہوئے اس طرح فرمایا:

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾

[الاعراف: ۱۵۷]

ترجمہ: "یعنی آپ (ﷺ) ان کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور انھیں برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور اُن عورتوں پر جو (ابرو یعنی بھنووں کے بال) چننے والی

ہیں (تاکہ بھنویں باریک ہوجائیں) اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کے درمیان کشادگی کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں" حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اور اسنے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا کہ میں اُن پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی اور جن پر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہو تا تجھے ضرور یہ بات مل جاتی، کیا تو نے یہ نہیں پڑھا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

ترجمہ: "یعنی اور رسول اللہ ﷺ جو تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔"

یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ تو قرآن میں ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے، لہٰذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روک دیں ان سے رک جاؤ۔ (صحیح بخاری ۲/۷۲۵)

اس آیت کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت

ہوا، نیز یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ سنت مبارکہ حجت ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ پر عمل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت میں شامل ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت (۸۰) میں فرمایا ﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ جو شخص اطاعت کرے رسول کی تو اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرماں برداری ہے کیونکہ آپ جو حکم دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

❁ فضیلت ❁

رسولِ اکرم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصف: ٦]

ترجمہ: ”اور جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، مجھ سے پہلے جو توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہو گا ان کی بشارت دینے

والا ہوں۔“ (۱)

❁ فضیلت ❁

رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی پر طعن کرنے والوں کی تردید، اور آپ ﷺ کے لئے ایسے اجر و ثواب کی بشارت جو کبھی ختم نہ ہو گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿٣﴾﴾ [القلم: ۱-۳]

ترجمہ: ”نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور فرشتوں کے لکھنے کی، آپ اپنے رب کی نعمتوں کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں، اور بلا شبہ آپ کے لئے ایسا اجر ہے، جو ختم ہونے والا نہیں۔“

تفسیر: سرورِ کائنات ﷺ کی ذات عالی پر بہت سے نکموں نے دیوانگی کا بہتان لگایا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہرزہ سرائی کی تردید فرمائی، اور نہ صرف یہ کہ تردید فرمائی بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والے اجر کا بھی اعلان فرمایا۔

یعنی یہ لوگ آپ ﷺ کو دیوانہ کہہ رہے ہیں اور آپ ﷺ انھیں

---

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بنی آدم کا سردار ہوں اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے اٹھوں گا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (رواہ مسلم کتاب الفضائل)

توحید کی دعوت دے رہے ہیں انجام کار دعوت کی مشغولیت پر اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو بڑا اجر وثواب ملے گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا میں بہت سے مصلحین اور رہنما گزرے ہیں کہ جن کو شروع شروع میں لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پکارا، مگر اسی کے ساتھ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں زمین آسمان کا فرق رہا ہے، پس جس طرح پہلے مصلحین پر نکتہ چینی کرنے والوں کا انجام ہوا، وہی ان بدلگام لوگوں کا ہو گا ان کا نام ونشان تک مٹ جائے گا، لیکن آپ ﷺ کا روشن نام وکام جریدۂ عالم پر ہمیشہ سنہرے حرفوں میں لکھا رہے گا، ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت ودانائی کی داد دے گی، اور آپ ﷺ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی، جس کی لازوال وبرتری کو قلم ازل لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، بھلا پھر کسی کو کیا زیب دے گا کہ وہ اس روشن گوہر آبدار کو داغ دار کر سکے۔

آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت سے پہلے تمام اہل مکہ آپ ﷺ کو اپنی قوم کا بہترین آدمی تسلیم کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی دیانتداری و امانت داری اور عقل وفراست پر اعتماد رکھتے تھے، مگر جب آپ ﷺ نے اِن کے سامنے قرآن پیش کرنا شروع کیا تو انھوں نے آپ ﷺ پر دیوانہ ہونے کی تہمت لگائی، اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ قرآن ہی اس تہمت کی تردید کے لئے کافی ثبوت ہے، یہ اعلیٰ درجہ کا فصیح وبلیغ کلام جو ایسے بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہے اس کا پیش کرنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ محمد

ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا ہے نہ یہ کہ کہا جائے معاذ اللہ آپ ﷺ دیوانے ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اِن کفارانِ قریش کی تہمت کی تردید فرمائی، بلکہ اس پر مزید اضافہ فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے فضل وکرم اور اجر عظیم کا اظہار فرمادیا ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳﴾ [القلم: ۳] اور بے شک آپ (ﷺ) کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

آپ ﷺ کی انتہائی فصاحت وبلاغت اور حکمت ودانائی جس نے موافق ومخالف سب کو موہ لیا ہے اور آپ ﷺ کے ایسے پاکیزہ اخلاق کہ سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ایسی مقدس ہستی کو دیوانہ کہہ دینا تو خود کہنے والوں کے دیوانہ پن کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ وہ ذات عالی جس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نہ ختم ہونے والے اجر کا اعلان فرمادیا اُس ذات عالی کو مجنون ودیوانہ کہنے والا خود ہی دیوانہ ہے۔ (ماخوذ از انوار القرآن)

❁ فضیلت ❁

آنحضرت ﷺ بلند اخلاق پر فائز ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ [القلم: ۴]

ترجمہ: ”اور بے شک آپ ﷺ بڑے اخلاق والے ہیں۔“

تفسیر: اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کی تعریف

بھی ہے اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی تردید بھی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ کاملہ سے نوازا ہے، آپ ﷺ کے اخلاق ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو آپ ﷺ کو مجنون کہتے تھے، آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو احادیث شریفہ میں جو آپ ﷺ کے مکارم اخلاق اور معاشرت و معاملات کے واقعات لکھے ہیں، ان کا مطالعہ کرلیا جائے، توریت شریف تک میں آپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر پہلے سے موجود تھا۔ (دیکھئے صحیح بخاری ص ۱۸۵)

آپ ﷺ صاحب خلق عظیم تھے، اپنی امت کو بھی اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے، مؤطا امام مالک میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنُ الْأَخْلَاقِ" کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ قیامت کے دن مؤمن کے ترازو میں جو سب سے زیادہ بھاری چیز رکھی جائے گی، وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے، اور یہ بھی فرمایا کہ فحش گو اور بد کلام کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

آپ ﷺ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مومن اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے راتوں رات نماز پڑھنے

والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔

(سنن ابوداود فی باب حسن الخلق)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کس طرح رہتے تھے، انھوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد میں کسی کو مارا ہو تو اور بات ہے، اور اگر کسی سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی تو اس کا انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں سے کسی کی بے حرمتی ہونے لگتی تو آپ ﷺ اس کا انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ فحش گو نہ تھے، نہ با تکلف فحش گوئی فرماتے تھے، اور نہ بازاروں میں شور و شغب فرماتے، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ معاف فرماتے اور درگزر فرمادیتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا: میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی مجھ سے کبھی کوئی نقصان ہو گیا تو کبھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی کی طرف ملامت ہوتی تو فرماتے کہ چھوڑو جانے دو، جو چیز مقدر میں تھی وہ پیش آنی ہی تھی۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے

کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیر لیتے تھے جب تک وہی اپنا چہرہ نہ پھیر لیتے تھے، اور آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی پاس بیٹھنے والے کی طرف ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہوں۔

(رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب آپ ﷺ نے (یمن جانے کے لئے) رخصت فرمایا تو جب انھوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آخری وصیت یہ فرمائی کہ "أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ" کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (رواہ الامام مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مؤمن آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو نمازوں میں قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (رواہ ابوداود)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "کان خلقه القرآن" یعنی آپ ﷺ قرآنی اخلاق کا مکمل عملی نمونہ تھے۔ (مسلم)

آنحضرت ﷺ کے ازواج مطہرات کے ساتھ مکارم اخلاق:

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اخلاق عالیہ میں سب سے زیادہ فائق تھے، اور اپنی امت کو بھی اس بات کی ترغیب دی، ارشاد فرمایا: "خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي" تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (رواہ الترمذی)

آنحضرت ﷺ کا دیہاتیوں کے ساتھ کریمانہ اخلاق:

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے، کہ ایک بدوی آیا اور مسجد کے اندر پیشاب کرنے لگا، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو منع کیا، اور کہا کہ رک جا، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو پیشاب کرنے سے روکو مت، اس کے بعد آپ نے اس شخص کو بلایا اور کہا دیکھو یہ مسجدیں کسی قسم کی گندگی پیشاب وغیرہ کے لئے نہیں ہیں، یہ تو قرآن پاک کی تلاوت کرنے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے ایک ڈول پانی منگوایا اور اسے اس جگہ پر بہادیا۔ (تاکہ مسجد کی زمین پاک ہو جائے)۔

(صحیح مسلم باب وجوب غسل البول)

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کس قدر حلیم و بردبار اور غصہ کو پی جانے والے تھے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں پیشاب کرنے والے اس دیہاتی کی اتنی بڑی غلطی پر بھی غصہ کا اظہار نہیں فرمایا اور غصہ کرنے کے بجائے نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایا، اور انتہائی محبت و ہمدردی سے اس کو نصیحت فرمائی، اور پھر اُس سے یہ نہیں فرمایا کہ تم ہی نے اس جگہ کو خراب کیا ہے تو تم ہی اس کو صاف کرو، بلکہ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ اس جگہ پر پانی ڈال کر صاف کریں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضور ﷺ مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوئے، آپ ﷺ نجران کی بنی ہوئی چادر میں ملبوس تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آپ

ﷺ کے پیچھے پیچھے آیا اور اس نے چادر کا پلو سے پکڑ کر آپ ﷺ کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا، جس سے آنحضرت ﷺ اس اعرابی کی جانب لوٹ گئے، اور آپ ﷺ کی گردن مبارک میں اس چادر کے کنارے کا نشان پڑ گیا (دیہاتی کے اس رویہ کے باوجود) آپ ﷺ اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے، اور فرمایا کیا بات ہے؟ دیہاتی نے کہا: اے محمد ﷺ آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے کچھ دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔ (صحیح البخاری باب البرود والحبر والشملۃ)

اس حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کی انتہائی نرم خوئی کا اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے، آپ ﷺ کس قدر حلیم وبردبار اور لوگوں پر کس قدر مہربان اور شفیق تھے، کہ ایک دیہاتی شخص کے اس ناروا سلوک پر بھی آپ ﷺ نے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا، نا ہی اس کو کسی قسم کی تنبیہ فرمائی بلکہ اس کی ناشائستہ حرکت پر اپنے غصہ کو ضبط کیا اور نا صرف یہ کہ ناگواری نہیں فرمائی بلکہ ناگواری کا اثر بھی ظاہر ہونے نہیں دیا اور مزید یہ کہ آپ ﷺ اس کی طرف دیکھ کر ہنسے، اور اس کی حاجت پوری فرمانے کا حکم دیا، بلا شبہ یہ آپ ﷺ کا پیغمبرانہ اخلاق عالی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا بچوں کے ساتھ شفیقانہ وکریمانہ اخلاق:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) کسی بچہ کی رونے کی آواز سنتے اور آپ ﷺ نماز پڑھاتے ہوتے تو اس کی ماں کی پریشانی کے خیال سے نماز مختصر فرما دیتے، اور کوئی چھوٹی سی آیت یا مختصر سورۃ تلاوت فرما لیتے تھے۔

حضرت ابوہریرۃ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں جب صبح کی نماز پڑھائی اور نماز پڑھا نے ہی میں آپ ﷺ نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے نماز کو مختصر فرما دیا، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے نماز کو اتنا مختصر کیوں فرما دیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے کسی بچہ کی رونے کی آواز سنی تھی تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کی ماں نماز کی حالت میں اضطراب وپریشانی میں نہ پڑ جائے (اس لئے نماز کو مختصر کر دیا)۔

آنحضرت ﷺ کا نوجوانوں کے ساتھ کریمانہ اخلاق:

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نہایت رحم دل اور شفیق ومہربان تھے، ہم نے اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بیس دن قیام کیا، تو آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگ اپنے گھر واپس جانے کے مشتاق ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ہم سے دریافت فرمایا، کہ ہم اپنے پیچھے اپنے گھروالوں میں سے کس کس کو چھوڑ آئے ہیں؟ ہم نے پوری تفصیل بیان کر دی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب تم اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ، اور وہیں مستقل رہو۔ (۱)

(۱) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس کو دو حصوں میں تقسیم فرمادیا مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا اس کے بعد اللہ نے جب انسانوں کو قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر قبیلہ عنایت فرمایا پھر انہیں جب خاندانوں میں تقسیم فرمایا مجھے ان میں بہتر خاندان میں بنایا۔ (رواہ مسلم)

❁ فضیلت ❁

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لئے مکہ مکرمہ کو حلال فرما کر آپ ﷺ کا اکرام فرمایا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ۝١ وَأَنتَ حِلٌّۢ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ۝٢﴾ [البلد: ۱-۲]

ترجمہ: ”میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور آپ اس شہر میں حلال ہونے کی حالت میں داخل ہونے والے ہیں۔“

تفسیر: سورۂ بلد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک شہر کی قسم فرما کر یہ خوشخبری ارشاد فرمائی کہ اے ہمارے پیارے نبی تمہارے لئے (ہم عنقریب) اپنے شہر محرم کو حلال کردیں گے، اس میں آپ ﷺ کا بہت بڑا اعزاز ہے کہ جس شہر میں اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی کے لئے قتل وقتال کی اجازت نہیں دی اور ہمیشہ اس کی حرمت برقرار رکھی آنحضرت ﷺ کی ذات عالی ایسی بلند وبالا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ ﷺ کو وہ مقام رفیع ملا کہ آپ ﷺ کے لئے اس حرمت والے شہر کی حرمت کچھ وقت کے لئے ختم کردی گئی تاکہ آپ ﷺ اس شہر مبارک پر قبضہ کر کے اسے غیروں کے کافرانہ ومشرکانہ تسلط سے آزاد کرادیں۔

مکہ معظمہ حرم ہے اس میں قتل وقتال ممنوع ہے، مشرکین مکہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کی قسم کھا کر

اس کی عزت کو بیان فرمادیا، اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کو پیشگی یہ خبر دیدی کہ ایک دن آنے والا ہے جب آپ ﷺ اس میں فاتحانہ داخل ہوں گے، اور اس دن آپ ﷺ کے لئے اس شہر میں قتال حلال کردیا جائے گا، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اور بہت سے لوگوں کے بارے میں امان کا اعلان کردیا جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے ان کی معافی کا عام اعلان فرمادیا، البتہ بعض لوگوں کے قتل کا حکم دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: بلاشبہ اللہ پاک نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا مکہ معظمہ (میں قتل وقتال) کو حرام قرار دیدیا تھا، اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا، اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔

(مسلم) (تفسیر انوار البیان)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حرم مکہ کو حلال کر کے ایسا اکرام فرمایا کہ کسی اور کو یہ مرتبہ عظیمہ اور اعلیٰ شرف نہیں ملا۔

٭ فضیلت ٭

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے آپ کو نہیں چھوڑا ہے اور آپ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا فرمائے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالضُّحَىٰ ۝١ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝٣ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥﴾ [الضحیٰ: ۱-۵]

ترجمہ: "قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے، آپ (ﷺ) کے پروردگار نے آپ کو نہیں چھوڑا، اور نہ دشمنی کی، اور آخرت آپ کے لئے بدرجہا بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا فرمائے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے۔"

تفسیر: سورۂ ضحیٰ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کے سبب نزول میں تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی وجہ سے دو تین رات نماز نہیں پڑھی یعنی تہجد کی نماز کا ناغہ ہو گیا، ایک عورت (ام

جمیل ابولہب کی بیوی) نے کہا بس جی سمجھ میں آ گیا کہ جو شیطان ان کے پاس آتا تھا اس نے ان کو چھوڑ دیا، دو تین رات سے قریب نہیں آیا۔

ایک دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالقرنین، اصحاب کہف اور روح کے بارے میں دریافت کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل بتاؤں گا ان شاء اللہ کہنا رہ گیا تھا لہٰذا چند دن تک وحی نازل نہیں ہوئی، اس پر مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بغض کر لیا، اس پر یہ سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

اور یقیناً آخرت آپ ﷺ کے لئے دنیا سے بہت بہتر ہے آگے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝٤﴾ [الضحیٰ: ۴]

ترجمہ: "اور یقیناً آخرت آپ (ﷺ) کے لئے دنیا سے بہتر ہے۔"

تفسیر: یوں تو آخرت دنیا کی بہ نسبت ہر ایک مؤمن کے لئے بہتر ہی ہے، تاہم آپ ﷺ کو آخرت میں جن عظیم مراتب و بلند مقامات سے نوازا جائے گا وہ ایسے ہوں گے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی ان پر رشک کریں گے، آنحضرت ﷺ کی ساری کاوشیں زندگی بھر یہی رہیں کہ ہر انسان کی آخرت سدھر جائے، آپ ﷺ بھی ہمیشہ آخرت ہی کے سلسلہ میں متفکر رہتے اور دنیا اور دنیا کی عیش و عشرت سے دور ہی رہتے، یہاں تک آپ ﷺ

آخرت کے ایسے مشتاق تھے کہ جب آپ ﷺ کو عمر کے آخری مرحلہ میں اس کا اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ہمیشہ دنیا ہی میں رہیں اور چاہیں تو آخرت کا سفر فرمالیں تو آنحضرت ﷺ نے اس دنیا پر آخرت کو ترجیح دی اور آخرت کا سفر قبول فرمایا، دنیا کی بے ثباتی اور اس کا زوال ہمیشہ آپ ﷺ کے پیش نظر ہوتا، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے ہمیشہ بے رغبتی فرماتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر آرام فرما تھے کہ اس چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پڑ گئے، جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے پہلو کو جھاڑا، اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اچھا ہوتا کہ آپ ﷺ ہمیں اجازت دیتے کہ آپ کے لئے چٹائی پر کچھ (نرم بچھونا) بچھادیتے، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میری اور اس دنیا کی مثال تو ایک مسافر کے مانند ہے جو تھوڑی دیر کسی درخت کے سایہ میں آرام کرے اور کچھ دیر ستا کر پھر اپنا سفر شروع کردے۔

(اخرجہ احمد والترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی: حسن صحیح)

آخرت آپ ﷺ کے لئے کیوں نہ بہتر ہو کہ وہیں پر تو آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمایا جائے گا، نہر کوثر عطا کی جائے گی، اس کے علاوہ اور بہت سے مراتب اور مقامات آپ ﷺ کو ملیں گے جن کو ایک محدود انسانی عقل سوچ بھی نہیں سکتی۔

آیت کریمہ میں "اولیٰ" اور "اخریٰ" سے لفظی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، کہ آپ ﷺ کے لئے ہر آنے والا دور پچھلے دور سے شاندار اور روشن مستقبل کا آئینہ دار ہوگا، حضور ﷺ کو یہ خوشخبری اس وقت دی گئی جب

مٹھی بھر چند آدمی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اور ساری قوم آپ ﷺ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دور دور تک کہیں نظر نہ آتے تھے، اسلام کی شمع مکہ ہی میں ٹمٹا رہی تھی، اور اسے بجھا دینے کے لئے ہر طرف طوفان امڈ رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ذرا پریشان نہ ہوں، ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ کے لئے بہتر ثابت ہوگا، آپ ﷺ کی قوت، آپ ﷺ کی عزت وشوکت، اور آپ کی قدر ومنزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی، اور آپ ﷺ کا اثر ونفوذ پھیلتا چلا جائے گا، پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا، وہ اس مرتبہ سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا، جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہوگا۔

طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں، اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔ (۱)

إن مع العسر يسرا

---

(۱) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ (تعالیٰ) اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

فضیلت

اللہ تعالیٰ کے یہاں آنحضرت ﷺ کی محبوبیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥﴾ [الضحیٰ: ۵]

ترجمہ: "آپ ﷺ کا رب آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ (ﷺ) راضی ہو جائیں گے۔"

تفسیر: اس میں اللہ تعالیٰ نے متعین کر کے یہ نہیں بتایا کہ کیا دیں گے، اس عموم میں اشارہ ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز اتنی دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے، آپ ﷺ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی اور دنیا میں اس کا پھیل جانا، پھر امت کی ہر ضرورت اور خود آپ ﷺ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا، اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذاً لا أرضى و واحد من أمتي في النار۔" (قرطبی) یہ بات ہے تو میں اس وقت راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت میں ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے حتی کہ کہا جائے گا "رضيتَ يا محمد صلي الله عليه وسلم" اے محمد! (ﷺ) کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں عرض گزار ہوں گا "یارب رضيتُ"

ہاں اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ (رواہ البزار والطبرانی فی الأوسط)

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٣٦﴾ اور پھر آیت ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝١١٨﴾ تلاوت فرمائی (پہلی آیت کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اور دوسری کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بار بار "یارب امتی، یارب امتی" عرض کرنے لگے، بامر الٰہی جبریل امین تشریف لائے اور پوچھا آپ ﷺ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: امت کے لئے روتا ہوں، حکم الٰہی ہوا آپ ﷺ کو امت کے سلسلہ میں خوش کر دیا جائے گا، اس لئے آپ ﷺ آزردہ اور رنجیدہ نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥﴾ (یعنی آپ کا رب آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے) کا تعلق اگر دنیاوی عروج وترقی سے مانا جائے تو وہ وعدہ بھی رسول اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ میں پورا ہوا، کہ سارا ملکِ عرب، سواحل جنوب سے لے کر شمالی جانب سلطنتِ روم کی شامی اور سلطنتِ فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ ﷺ کے زیر نگیں ہو گیا، عرب کی سرزمین تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک قانون اور ضابطہ کے تحت آگئی جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، کلمۂ توحید "لا إله إلا الله محمد رسول الله (صلي الله عليه وسلم)" سے

وہ پورا ملک گونج اٹھا جس میں مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لئے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے، اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف سال کے اندر اتنی بدل گئی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی برپا کی ہوئی یہ مکمل حکومت اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ، اور یورپ کے ایک بڑے حصہ پر چھا گئی، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پھیل گئے، کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دنیا میں دیا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کرسکتا۔

(ماخوذ از انوار القرآن / حضرت شیخ الحدیث مولانا نعیم صاحب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ)

پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنی نعمتیں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ﴿٨﴾ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾﴾ [الضحیٰ: ٦-١١]

ترجمہ: "کیا اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانہ دیا اور اللہ نے آپ (ﷺ) کو بے خبر پایا سو راستہ بتایا اور اللہ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا تو آپ (ﷺ)

یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کریں۔"

فضیلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سینۂ انور کو اپنی تجلیات کے لئے منشرح فرمادیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾﴾ [الشرح: ١-٣]

ترجمہ: "کیا ہم نے آپ (ﷺ) کے خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کردیا، اور ہم نے آپ (ﷺ) پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کیا ہوا تھا۔"

تفسیر: یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا سینہ کو نور نبوت سے بھی بھر دیا، اور علم و معرفت سے بھی، ایمان کی دولت سے بھی، صبر و شکر سے بھی، کتاب و حکمت سے بھی، قوت برداشت سے بھی، وحی کی ذمہ داری اٹھانے سے بھی، دعوت ایمان پر اور دعوت احکام پر استقامت سے بھی، اللہ تعالیٰ نے جو آپ ﷺ پر انعامات فرمائے ہیں، ان میں ایک بہت بڑا انعام شرح صدر بھی ہے۔

آپ ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی امت کو بھی شرح صدر کی

نعمت حاصل ہو گئی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ ﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ﴾ کی تلاوت کی پھر فرمایا بیشک جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو پھیل جاتا ہے، عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ فرمایا کہ ہاں اس کی نشانی ہے کہ دار الغرور (دھوکہ والا گھر یعنی دنیا) سے بچنا ہے اور دار الخلود (یعنی ہمیشہ رہنے کے گھر) کی طرف توجہ رکھے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری رکھے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوۃ ص ۴۴۶)

بعض حضرات نے یہاں ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چاک کر کے علم اور حکمت سے بھر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے یہ کام کیا۔

پہلی مرتبہ: یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں بچپن میں رہتے تھے اور ایک مرتبہ معراج کی رات پیش آیا۔

(مارواہ البخاری ومسلم)

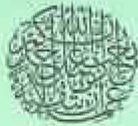
دوسری بار: شق صدر کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دس سال کی عمر میں پیش آیا یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح ابن حبان اور دلائل ابی نعیم وغیرہ میں مذکور ہے۔

تیسری بار: یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا جیسا کہ (مسند ابی داود طیالسی (ص ۱۴۱۵) اور دلائل ابی نعیم (ص ۶۹ ج ۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حافظ ابن الملقن نے شرح بخاری میں اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری باب المعراج میں (باب ما جاء في قوله عزوجل وكلم الله موسىٰ تكليما) میں بعثت کے وقت شق صدر کا ثابت ہونا تسلیم کیا ہے نیز اس واقعہ

کا بوقت بعثت پیش آنا مسند بزار میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث اس حدیث کے مغائر ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے دربارۂ اسراء ومعراج صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری کے راوی ہیں مگر جعفر بن عبد اللہ بن عثمان الکبیر جس کی ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور عقیلی نے اس میں کلام کیا ہے۔

چوتھی بار: یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری ومسلم اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس بارے میں روایتیں متواتر اور مشہور ہیں۔ یہ چار مرتبہ کا شق صدر روایت صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۱ ص ۷۵-۷۶) از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے جیسا کہ درمنثور میں (ص ۳۶۳ ج ۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال چند ماہ تھی صاحب درمنثور نے یہ واقعہ زوائد مسند احمد سے نقل کیا ہے۔

لیکن یہ روایت ثابت و معتبر نہیں ہے کما ذکرہ الشیخ محمد ادریس فی سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)



(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: "كُنتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ" یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے)۔

فضیلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو بلندی عطا فرمائی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤﴾ [الشرح: ۴]

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔“

تفسیر: آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا، اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خطبوں میں، کتابوں میں وعظوں میں تقریروں میں تحریروں وغیرہ وغیرہ.... میں آپ ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عالم بالا میں بلایا آسمانوں کی سیر کرائی، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا، جب کسی آسمان تک پہنچتے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام دروازہ کھلواتے تھے، وہاں سے پوچھا جاتا کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے: میں جبریل ہوں، پھر سوال ہوتا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ وہ جواب دیتے محمد (ﷺ)، اس طرح سے تمام آسمانوں میں آپ ﷺ کی رفعت شان کا چرچا ہوا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات سے اس کی تفسیر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ فرمایا، اور ان کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے کی بشارت دیں، اور آخرت میں آپ ﷺ کا ذکر بلند ہو گا، جبکہ

آپ ﷺ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا، اور اس وقت اولین وآخرین رشک کریں گے، آپ ﷺ کو کوثر عطا کیا جائے گا، دنیا میں اہل ایمان تو محبت اور عقیدے سے آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں، اہل کفر میں بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جنھوں نے دنیاداری کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا، لیکن آپ ﷺ کی رسالت ونبوت اور رفعت عظمت کے قائل ہوئے، آپ ﷺ کی توصیف وتعریف میں کافروں نے مضامین بھی لکھے ہیں، اور نعتیں بھی کہیں ہیں، اور سیرت کے جلسوں میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی صفات وکمالات برابر بیان کرتے رہتے ہیں۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤﴾ کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦﴾

[الشرح: ۵-۶]

ترجمہ: ”بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔“

اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ جو مشکلات در پیش آئیں ہمیشہ نہیں رہیں گی اور اسے مستقل ایک قانون کے طریقے پر بیان فرمادیا کہ بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے، اس کلمے کو دو مرتبہ فرمایا جو آنحضرت ﷺ کے لئے بہت زیادہ تسلی کا باعث ہے۔ تفسیر در منثور میں بحوالہ عبد الرزاق وابن جریر وحاکم وبیہقی حضرت حسن سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بہت خوشی کی حالت میں ہنستے ہوئے باہر تشریف لائے آپ

ﷺ فرما رہے تھے "لن یغلب عسر یسرین" کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی اور آپ یہ پڑھ رہے تھے: ﴿فَإِنَّ مَعَ ٱلْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ ٱلْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦﴾

حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ جب کسی اسم کو معرف باللام ذکر کیا جائے پھر اسی طرح دوبارہ اس کا اعادہ کیا جائے تو دونوں ایک ہی شمار ہوں گے اور اگر کسی اسم کو نکرہ لایا جائے اور پھر اس کا بصورت نکرہ اعادہ کر دیا جائے تو دونوں علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے گا۔ جب آیت کریمہ میں عُسر کو دوبارہ معرفہ لا یا گیا اور یسر کو دوبارہ نکرہ لایا گیا تو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہو گیا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی ہے اس میں جو مشکلات ہیں ان کا مجموعہ شئ واحد ہے مشکلات کے بعد دنیا ہی میں آسانی آتی رہتی ہے، ایک آسانی تو یہ ہوئی اور دوسری آسانی وہ ہے جو اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُۥ لِلْيُسْرَىٰ﴾ میں وعدہ فرمایا ہے اور وہ بہت بڑی نعمت ہے یہ دنیا کی تھوڑی سی مشکلات جن کے بعد دنیا میں اور آخرت میں بڑی بڑی آسانیاں نصیب ہو جائیں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے حکم دیا: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَٱنصَبْ﴾ [الشرح: ۷] جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کے کام میں لگ جائیں یعنی داعیانہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں۔

اس میں بہت سا وقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے ایسی عبادت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو

بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا بھی ضروری ہے جب آپ ﷺ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں سے فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں، تاکہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر وثواب بھی ملے جو براہ راست عبادت اور انابت میں ہے (اور حقیقت میں یہ جو بلاواسطہ عبادت ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے، جیسے سورۂ والذاریات کی آیت ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ﴾ میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اس پر عمل کرتے تھے فرائض ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول رہتے تھے۔ آپ ﷺ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس سے آپ ﷺ کے قدم مبارک سوجھ جاتے تھے۔

﴿وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَٱرْغَب ۝٨﴾ [الشرح: ۸]

ترجمہ: "اور اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے۔"

یعنی نماز، دعا، مناجات، ذکر تضرع، زاری میں مشغول ہو جائیں۔

فانصب کا ترجمہ "محنت کیا کیجئے" کیا گیا ہے کیونکہ یہ نصب بمعنی مشقت سے مشتق ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادات میں اس قدر لگنا چاہئے کہ نفس تھکن محسوس کرنے لگے، نفس کو آسانی پر نہ چھوڑیئے اگر نفس کا آرام اور رضامندی دیکھی تو وہ فرض بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ ہونے دے گا۔

فضیلت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کوثر عطا فرمائی

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١﴾ [الکوثر: ۱]

ترجمہ: "بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا فرمائی۔"

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا، سید الأنبیاء والرسل بنایا، قرآن عظیم عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ ﷺ کے تابع بنائی، آپ ﷺ کو سارے عالم اور ساری اقوام کی طرف مبعوث فرمایا، اور آپ ﷺ کے نورِ ایمانی کو پورے عالم میں پھیلایا، اور آخرت میں آپ ﷺ کو بہت بڑی خیر سے نوازا، مقام محمود بھی عطا فرمایا، اور وسیلہ بھی عطا فرمایا جو جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے، جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ مجھے ہی ملے گا، اور آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا فرمائی، یہ نہر کوثر بھی خیر کثیر کا ایک حصہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج) جنت میں چل پھر رہا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہر ہے، اس کے دونوں جانب موتیوں کے بنائے ہوئے ایسے قبے ہیں کہ موتیوں کو اندر سے تراش کر ایک ایک موتی کا ایک ایک قبہ بنا دیا گیا ہے،

میں نے دریافت کیا، اے جبریل یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، اس کے اندر کی مٹی بہت تیز خوشبودار مشک ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے حوض کا طول اور عرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے ایک ماہ کی مدت درکار ہے، اس کے گوشے برابر ہیں (یعنی طول و عرض دونوں برابر ہیں) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے، اور اس کے لوٹے اس قدر ہیں، جتنے آسمان کے ستارے ہیں، جو اس میں سے پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸۷ از مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا حوض اس قدر عریض و طویل ہے کہ اس کی دو طرفوں کے درمیان اس فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جو ایلہ سے عدن تک ہے، بخدا وہ برف سے زیادہ سفید اور اس شہد سے زیادہ میٹھا ہے جو دودھ میں ملا ہوا ہو، اس کے برتن ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں (دوسری امتوں) کو اپنے حوض پر آنے سے ہٹادوں گا، جیسے (دنیا میں) کوئی شخص دوسرے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس روز آپ ہم کو پہچانتے ہوں گے؟ ارشاد فرمایا ہاں (ضرور پہچان لوں گا اس لئے کہ) تمہاری ایک علامت ہوگی جو کسی اور امت کی نہ ہوگی، اور وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر سے تمہارے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے۔ (مشکوۃ المصابیح ۴۸۷)

(ایلہ یہ ملک شام کا ایک شہر ہے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے، اور عدن یہ ملک یمن کا مشہور شہر ہے)۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد میں حوض کے اندر سونے چاندی کے لوٹے نظر آرہے ہوں گے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸۷)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں دو نالے گر رہے ہوں گے، جنت (کی نہر) سے اس کے پانی میں اضافہ کررہے ہوں گے، ایک پرنالہ سونے کا، اور دوسرا چاندی کا ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸۷)

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہر کوثر جنت میں ہے، میدان قیامت میں سے ایک شاخ لائی جائے گی، جس میں اوپر سے پانی آتا رہے گا، اور اہل ایمان اس میں سے پیتے رہیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے، جتنا عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے، اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں جو اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا، اس کے بعد وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا، سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء آئیں گے کسی نے (اہل مجلس میں سے) سوال کیا کہ یا رسول اللہ ان کا حال بتائیے، ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں (دنیا میں) جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے (بھوک و تھکن کے باعث) بدلے ہوتے تھے، ان کے لئے (بادشاہوں اور حاکموں) کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے، اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں، اور

(ان کے معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ) ان کے ذمہ (جو کسی کا حق) ہوتا تھا سب چکادیتے تھے، اور ان کا حق (جو کسی پر) ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے، (بلکہ تھوڑا بہت) چھوڑ دیتے تھے۔

یعنی دنیا میں ان کی مالی اعتبار سے کمزوری کی حالت یہ تھی کہ بال سدھارنے اور کپڑے صاف رکھنے کا مقدور بھی نہ تھا، اور ظاہر کے سنوارنے کا ان کو ایسا خاص دھیان بھی نہ تھا کہ بناؤ سنگار کے چوچلوں میں وقت گزارتے، اور آخرت سے غفلت برتتے، ان کو دنیا میں افکار و مصائب ایسے در پیش رہتے تھے، کہ چہروں پر ان کا اثر ظاہر تھا، اہل دنیا ان کو حقیر سمجھتے تھے کہ مجلسوں اور تقریبوں اور شاہی درباروں میں ان کو دعوت دے کر بلانا تو کیا معنی ان کے لئے ایسے مواقع میں دروازے ہی نہ کھولے جاتے تھے، اور وہ عورتیں جو ناز و نعمت میں پلی تھیں ان خاصان خدا کے نکاحوں میں نہیں دی جاتی تھیں، مگر آخرت میں ان کا یہ اعزاز ہوگا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچیں گے، دوسرے لوگ ان کے بعد اس مقدس حوض سے پی سکیں گے۔ (بشرطیکہ اہل ایمان ہوں اور اس میں پینے کے لائق ہوں) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حوضِ (کوثر) پر تمہارے پلانے کا انتظام کرنے کے لئے پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا، جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا، اور جو اس میں سے پی لے گا، کبھی اسے پیاس نہیں لگے گی، پھر فرمایا بہت سے لوگ میرے پاس سے گزریں گے، جنہیں میں پہچانتا ہوں گا، اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگادی جائے گی، میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں جواب میں کہا جائے گا، کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد

کیا کیا نئی چیزیں نکال لی تھیں، اس پر میں کہوں گا، دور ہوں، دور ہوں، جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ (مشکوۃ المصابیح)

فضیلت

آنحضرت ﷺ کے کارِ نبوت میں کامیاب ہو جانے اور اس کے ثمرات کے ظہور کا اعلان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ ۝١ وَرَأَيۡتَ ٱلنَّاسَ يَدۡخُلُونَ فِي دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجٗا ۝٢ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَٱسۡتَغۡفِرۡهُۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابَۢا ۝٣﴾ [النصر: ۱-۳]

ترجمہ: "جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور آپ دیکھ لیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ ﷺ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیئے، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگتے رہیئے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

سورت کا موضوع و مضمون اس سورتِ کریمہ کا مرکزی موضوع و مضمون یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے مطلع فرمایا کہ عرب میں

اسلام کی فتح مکمل ہو گئی، اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے لہٰذا وہ کام مکمل ہو گیا، جس کے لئے آپ (ﷺ) دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرنے میں مشغول ہو جائیں، کہ اس کے فضل سے آپ اتنا بڑا کام انجام دینے میں کامیاب ہو گئے، اور اس سے دعا کریں کہ اس خدمت کی انجام دہی کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد اور استغفار میں لگ جائیں۔

تفسیر: حضرت مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ "لما نزلت قرأها النبي ﷺ على أصحابه ومنهم أبو بكر وعمر وسعد بن أبي وقاص، ففرحوا واستبشروا وبكى العباس، فقال عليه السلام: ما يبكيك يا عم؟ قال نعيت إليك نفسك. قال: إنه لكما تقول." (قرطبی) (یعنی جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں اس کی تلاوت فرمائی، جس میں حضرت ابو بکر وحضرت عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ حضرات موجود تھے، سب سن کر خوش ہوئے، کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے، مگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا کہ اس میں تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر مضمر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

اس مقام پر آدمی غور کرے تو دیکھ سکتا ہے کہ ایک نبی اور ایک عام دنیوی رہنما کے درمیان کتنا فرق عظیم ہے، کسی دنیوی رہنما کو اگر اپنی زندگی ہی میں وہ انقلاب عظیم برپا کرنے میں کامیابی نصیب ہو جائے، جس کے لئے وہ کام کرنے اٹھا ہو، تو اس کے لئے جشن منانے اور اپنی قیادت پر فخر کرنے کا موقع

ہوتا ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ﷺ کو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تیئس سال کی مختصر مدت میں ایک پوری قوم کے عقائد، افکار، عادات، اخلاق، تمدن، تہذیب، معاشرت، معیشت، سیاست، اور حربی قابلیت کو بالکل بدل ڈالا، اور جہالت و جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم کو اٹھا کر اس قابل بنا دیا، کہ وہ دنیا کو مسخر کر ڈالے، اور اقوام عالم کی امام بن جائے، مگر ایسا عظیم کارنامہ ان کے ہاتھوں انجام پانے کے بعد انھیں جشن منانے کا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح کرنے اور اس سے مغفرت کی دعا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ ایک مرکزی اور نہایت اہم مقام تھا، قبائل عرب کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں، چنانچہ جوں ہی مکہ مکرمہ فتح ہوا پھر تو سارا عرب امنڈ پڑا، اور لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، حتی کہ سارا عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا، اور مکہ اللہ کا دار السلطنت بن گیا، اس سے پہلے ایک ایک دو دو کر کے لوگ اسلام لاتے تھے، فتح مکہ کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا، اور ۹ھ میں جس کو عام الوفود کہا جاتا ہے یہ کیفیت ہو گئی کہ گوشہ گوشہ سے وفود حاضر ہونے لگے، حتی کہ ۱۰ھ میں جب سرور کائنات ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت پورا عرب اسلام کے زیر نگیں آچکا تھا۔

اس سورت کریمہ میں حضور ﷺ کی رحلت اور وفات کی پیشن گوئی کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے شایان شان آداب عالیہ کی تلقین فرمائی گئی ہے، یعنی جب آپ دیکھ لیں کہ جس عظیم مقصد کے لئے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے، اس کے اثرات اس درجہ نمایاں ہو گئے، کہ لوگ جوق در جوق برضاو

رغبت اس کو قبول کرنے کے لئے حاضر خدمت ہونے لگیں، تو سمجھ لیجئے کہ دنیا میں آپ ﷺ کے تشریف لانے کا مقصد پورا ہو گیا، اور سفر کامیاب رہا، آپ ﷺ کی مساعی کے نتیجہ میں نصرت و فتح آپہنچی، لہذا آپ ﷺ ہمہ تن اللہ کی تسبیح و حمد میں وقف ہو جایئے، اور شکر گزار ہو جایئے، کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ ﷺ اتنا بڑا کام سر انجام دینے میں کامیاب ہو گئے، اور باطنی فتح کے ساتھ ظاہری فتح بھی آپ ﷺ کو نصیب ہو گئی ہے تو تسبیح و حمد اور استغفار و طلب مغفرت میں لگ جایئے۔

يا رب صل وسلم دائماً أبداً
على حبيبك طه سيد الرسل

بخاری کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ (آنحضرت ﷺ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد) ان الفاظ میں دعا فرماتے تھے "سبحانك الله ربنا وبحمدك اللهم اغفر لي" (ذكره الإمام ابن كثير وعزاه إلى الإمام أحمد) (انوار القرآن)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

"سبحان الله وبحمده استغفر الله وأتوب إليه"

(ذكره ابن كثير وعزاه إلى ابن جرير)



خِتَامُهُ مِسْكٌ

اس سورت مبارکہ سے امت کے لئے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی بھی عمل صالح کریں یا کوئی عبادت یا ریاضت یا کوئی بھی دینی خدمت انجام دیں، اور اپنی جان کو راہِ خدا میں کھپا دیں تو اس کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا احسان سمجھیں کہ اس نے اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، تسبیح اور دعا واستغفار خوب زیادہ کریں۔

تم الكتاب بعون الله الملك الوهاب فالحمد لله
أولاً وآخراً وظاهراً وباطناً

يـــا رب صـــل وســـلم دائمـــاً أبـــداً
عـــلى حبيبـــك خـــير الخلـــق كلهـــم

ربنا تقبّل منا إنك أنت السميع العليم
وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين
والصّلاة والسلام على نبي الرحمة سيدنا محمد بن عبد الله الأمين
وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه إلى يوم الدين.

اس کتاب کا تعارف ایک نظر میں!

اس کتاب میں قرآن حکیم سے ان آیات کا انتخاب مع ترجمہ و تفسیر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا عالی مقام ذکر فرمایا ہے، ان آیات کو ترتیب قرآنی کے مطابق جمع کیا گیا ہے، انداز بیان سہل ترین و دل نشیں ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مضمون دل میں اترتا چلا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت و تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے، جو کہ ایمان کی ایک بڑی اہم کڑی ہے۔ اردو میں اس موضوع پر اپنے انداز کی پہلی کتاب ہے اور ایمان افروز مضامین سے لبریز ہے، ہر مسلمان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔



